بچوں کے ادب کا بین الاقوامی معیار
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
اکتوبر ۱۹۹۳ء
بچوں کا سنسنی خیز الیکشن
کون جیتا کون ہارا
بچوں کی مزیدار قوالی
کتے اور بلی کی انوکھی دوستی
دلچسپ انعامی مقابلے
گدگداتے لطیفے
آنکھ مچولی
JUNIOR ROBOT
عجائب گھر کیا ہے؟

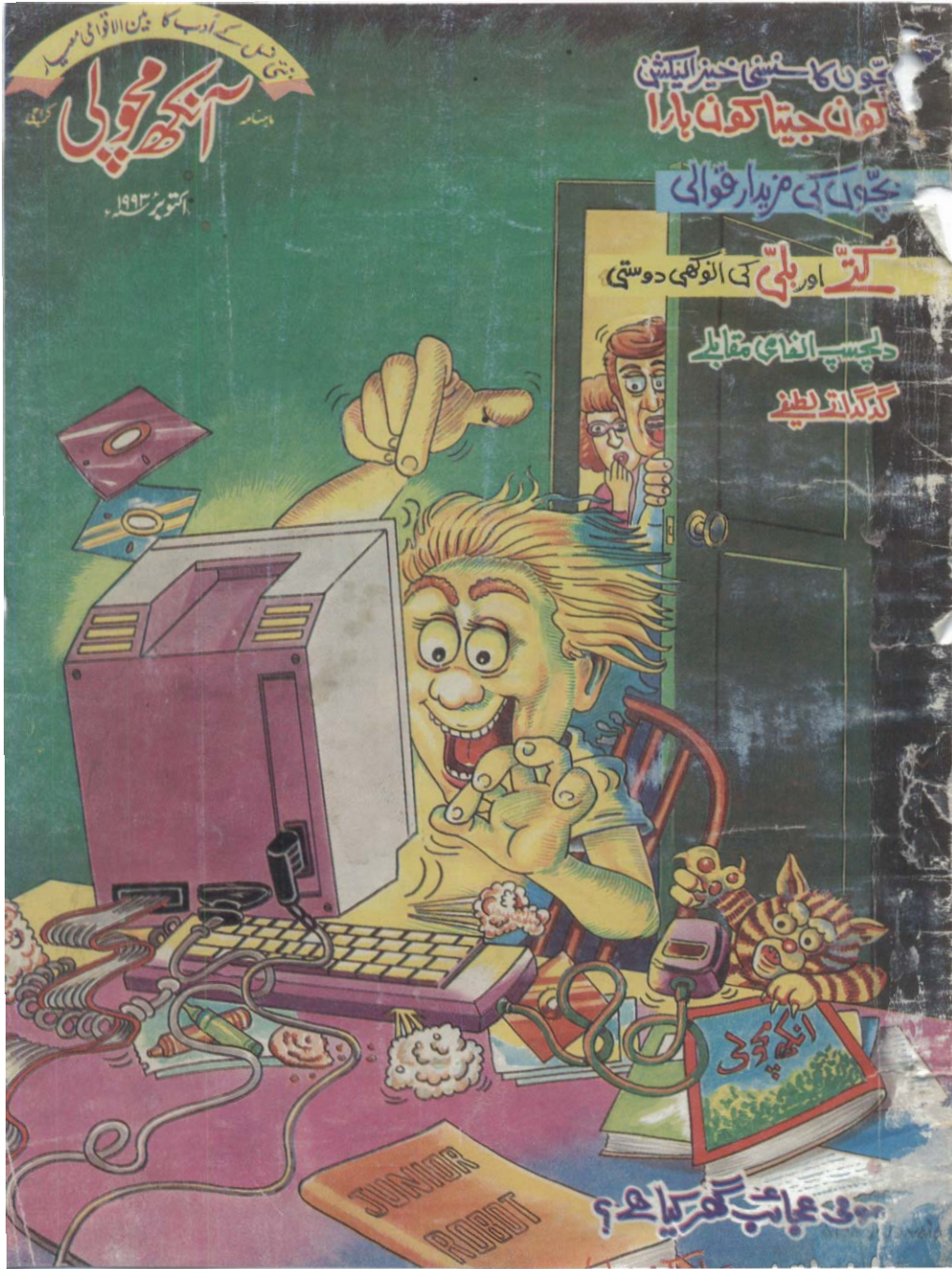

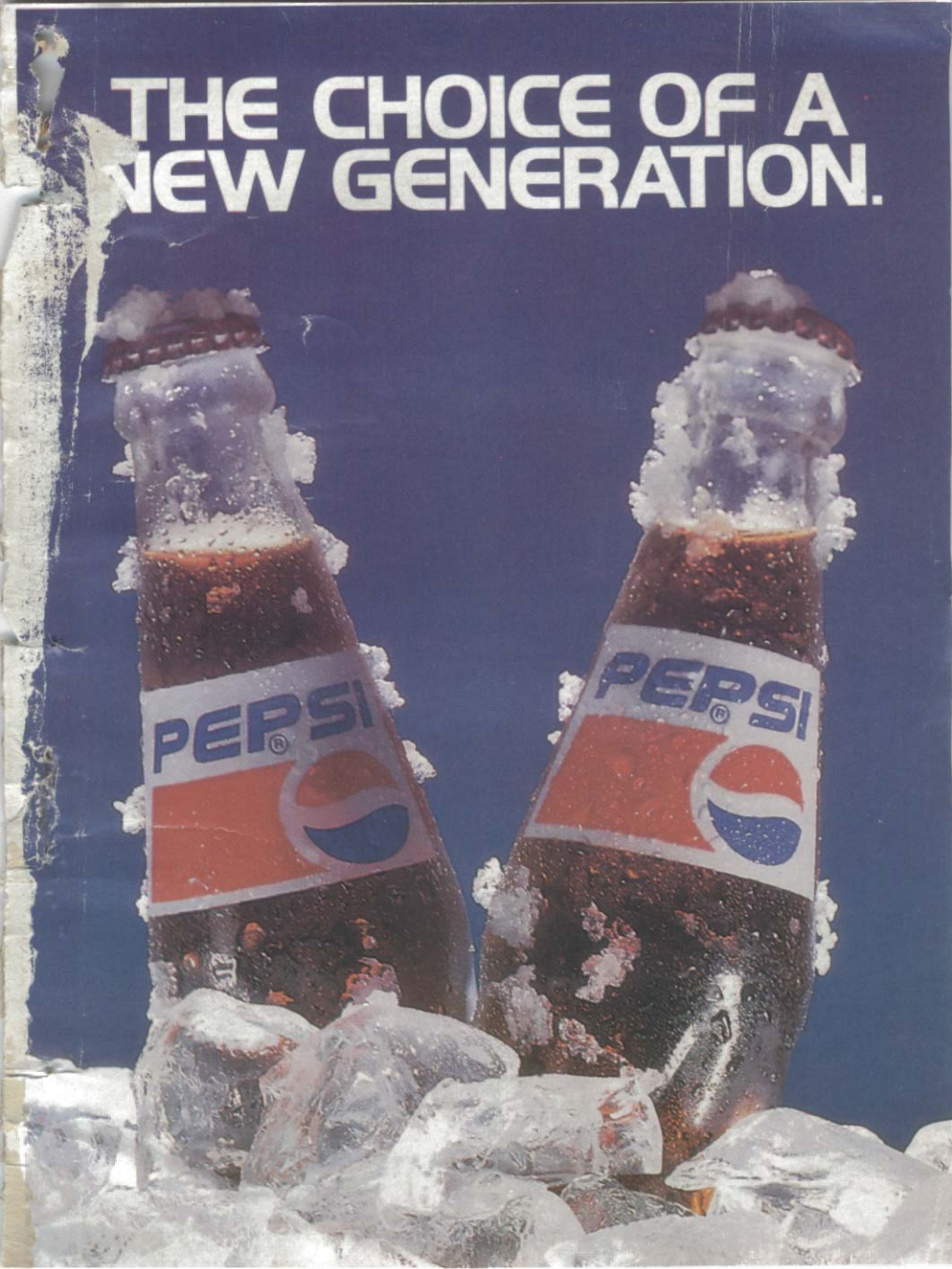
THE CHOICE OF A
NEW GENERATION.
PEPSI
PEPSI

آنکھ مچولی کی جانب سے نئے سال کا شریر تحفہ

دلچسپ شرارتی کارٹون ○ شرارتی تصویریں ○ شرارتی مقابلے ○ مزید مضامین اور کہانیوں سے مزین

شرارت نمبر

جنوری ۱۹۹۴ء میں
منظرِ عام پر آرہا ہے

- ○ بڑے لوگوں کے بچپن کی شرارتیں
- ○ بچوں کی بڑوں سے شرارتیں
- ○ اور ہاں جانوروں کی بھی حیران کن شرارتیں

اس کے علاوہ **ایک عدد شرارتی تحفہ**

آپ نے بھی یقیناً کوئی نہ کوئی شرارت کی ہوگی۔
اپنی شرارت ہمیں لکھ بھیجئے —— ہم اسے شائع کریں گے۔
—— بشرطیکہ شرارت میں "شر" نہ ہو؛
—— یہ شرارت کسی کو تکلیف پہنچانے والی نہ ہو؛

اس شمارے میں کچھ شرارتیں آنکھ مچولی کی جانب سے بھی —— ہوشیار رہیئے گا ——

نت نئے نمبر پیش کرنے میں آنکھ مچولی کا کوئی حریف نہیں

◉

ادارہ ہر قابلِ اشاعت تحریر کا معاوضہ دیتا ہے

اپنا شمارہ آج ہی بک کرا لیجئے

قابلِ اعتماد۔ غذائیت سے بھرپور

دیسی گندم کا آٹا

کپڑے اور کاغذ کے تھیلوں میں
ممتاز اسٹورز اور یوٹیلٹی اسٹورز
پر دستیاب ہے۔

کراچی میں کپڑے کے تھیلوں میں دیسی گندم کا آٹا پیش کرنے کا سب سے پہلا شرف ہمارے ادارے کو حاصل ہے

اشرفی برانڈ آٹا سے پکائی ہوئی روٹی نرم اور ملائم رہتی ہے کیونکہ ہم خودکار مشینوں پر اعلیٰ قسم کی دیسی گندم سے آٹا تیار کرتے ہیں۔ اس میں میدہ اور سوجی پوری مقدار میں شامل ہوتے ہیں جو کہ آٹے میں غذائیت کا جزو اعظم ہیں۔ اب انٹرنیشنل کاغذی پیکنگ میں بھی دستیاب ہے۔

اشرفی
برانڈ آٹا ۲۵ سال سے
اعلیٰ معیار کی ضمانت

کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو
ہم نے تمہیں
عطا کی ہیں۔ (القرآن)

ماہانہ گھریلو خریداری میں سرِفہرست

اچھی صحت، خدا کی نعمت

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

جلد نمبر ۸ شمارہ نمبر ۴
ربیع الثانی/جمادی الاول ۱۴۱۴ھ اکتوبر ۱۹۹۳ء

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن پاکستان چلڈرنز میگزین سوسائٹی

مدیر اعلیٰ
ظفر محمود شیخ
منتظم اعلیٰ
تجمل حسین چشتی
منیجنگ ایڈیٹر
ایم اے فاروقی
مدیر اعزازی
طاہر مسعود
مجلس ادارت
منیر احمد راشد، محمد عمر احمد خان
نمائندہ امریکہ
عبدالرشید خان

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جاسکتی۔

○ ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

○ ماہنامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیرالدین میموریل آرگنائزیشن کے زیر سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا ہے۔

خط و کتابت کا پتہ ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵ (۷۴۸۰۰) فون: ۴۱۱۵۸۷

ناشر: ظفر محمود شیخ ○ طابع: زاہد علی ○ مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس، ایم اے جناح روڈ کراچی

قیمت ۱۰ روپے
۷ درہم ۷ ریال

ان سے تعاون کیجیے ان پر اعتماد کیجیے

وطنِ عزیز کے قریے قریے
اور نگر نگر
ہر ماہ باقاعدگی سے
آنکھ مچولی
پہنچانے کے لیے ہم نے
ان اداروں
کو اپنا باقاعدہ
ایجنٹ
مقرر کیا
ہے

محمد حسین برادرز	کراچی	۷۷۲۴۱۲۶
سلطان نیوز ایجنسی	لاہور	۵۸۲۴۹
ملک تاج محمد	راولپنڈی	۵۵۴۳۲
مہران نیوز ایجنسی	حیدرآباد	۲۰۱۲۸
افضل نیوز ایجنسی	پشاور	۶۴۵۱۵
اے ایس حامد نیوز سروس	ملتان	۴۲۳۱۰
فیاض بک ڈپو	فیصل آباد	۲۷۴۰۶
ایم ایم ٹریڈرز	کوئٹہ	۷۵۰۰۲
اسلم نیوز ایجنسی	گوجرانوالہ	
سلمان برادرز	نواب شاہ	۲۴۱۴
سعید بک اسٹال	گجرات	۳۶۳۹
پاکستان اسٹینڈرڈ بک اسٹال	سرگودھا	۶۲۹۵۱
طاہر نیوز ایجنسی	جہلم	
کیپٹل نیوز ایجنسی	بہاولپور	۲۹۵۷
چوہدری امانت علی اینڈ سنز	رحیم یار خان	۷۲۶۲۶
مسلم بک ڈپو	سراے عالمگیر	
رحمت بک اسٹال	اوکاڑہ	
رہبر نیوز ایجنسی	منڈی مدرسہ ضلع بہاول نگر	
ملک اینڈ سنز	سیالکوٹ	۸۷۹۸۹
سلطانی نیوز ایجنسی	چکوال	
مولا بخش نیوز ایجنسی	مہران مرکز سکھر	
خالد بک اسٹال	گجرات	۳۷۳۱
اسلامی نیوز ایجنسی	وہاڑی	۲۸۸۹

آنکھ مچولی
خریدنے کے لیے
اپنی تجاویز اور مشوروں کیلئے

ان ناموں پر اعتماد کیجیے

خط و کتابت کے لیے ماہ نامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

حُسنِ ترتیب

تاریخ کے دریچے سے — سیّد قاسم مجتبےٰ ہمدانی لاہور — ۸
ماہِ رواں کی پہلی بات — اداریہ — ۹
حمد باری تعالیٰ (نظم) — آصف وقار آصف — ۱۰
سنّتِ رسولؐ کی پیروی کیجئے — حماد خالد فیاضی — ۱۱
آنکھ مچولی فیسٹول — منیر احمد راشد — ۱۶
بچّوں کی قوالی (نظم) — عبدالقادر — ۲۴
قائد کے ساتھی — غلام عباس طاہر — ۲۶
بھائی میں آرہا ہوں — محمد عمر احمد خان — ۲۹
آنکھ مچولی البم — ادارہ — ۳۳
عکس ادھورے کیجیے پورے — ادارہ — ۳۴
ڈرامہ برائے ویڈیو گیمز — مجیب ظفر انوار — ۳۸
الیکشن (نظم) — عمارہ احمد — ۴۲
کیلوری کیا ہے؟ — نگہت آرا چوہان — ۴۴
دو پرانی کہانیاں — شان الحق حقّی — ۴۶
ننھی موجد — علی حیران — ۴۸
وہیل مچھلی — شیخ عاکف حمید — ۵۰
درِ حیرت — ایاز محمود — ۵۲
تمہارے بچّے سلامت ہیں — شگفتہ شمیم — ۵۶
مومی عجائب گھر — نثار احمد ہاشمی — ۶۱
(نظم) خواب — محمد اشفاق مغل — ۶۵
کشمیر کا بیٹا — اعجاز احمد فاروقی — ۶۶
اورنگوٹان — شیخ تاج محمد — ۷۰
امتحان ہے آپ کی ذہانت کا — ادارہ — ۷۵
ماں کا دِل — سلمان غزالی — ۷۹
اور مٹھو اُڑ گیا — تسکین زیدی — ۸۶
گدگدے — لطائف — ۹۱
چھال سے چھاپہ خانے تک — عابد سلطان — ۹۴
بخدمت جناب — خطوں کے جواب — ۹۸
ڈاکو اور کوّا — نعیم مشتاق نومی — ۱۰۲
(نظم) ایک فریاد — حماد خالد فیاضی — ۱۰۷
بچاؤ — اشتیاق احمد — ۱۰۸
قلم قتلے — ننھی تحریریں — ۱۱۵

تاریخ کے دریچے سے

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ انصاف پسند خلیفہ تھے۔ آپؒ ہمیشہ سادہ زندگی گزارتے تھے۔ ایک بار آپؒ کو اطلاع ملی کہ فوج کے سپہ سالار کے باورچی خانے کا روزانہ کا خرچ ایک ہزار درہم ہے۔ یہ سُن کر آپؒ کو بے حد دکھ ہوا کہ جس رقم پر یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کا حق ہے اسے سپہ سالار یوں بے دردی سے لٹا رہا ہے۔ آپؒ نے سپہ سالار کو خط بھیجا کہ کل تم سے کچھ صلاح مشورہ کرنا ہے اس لئے کل دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھانا چنانچہ سپہ سالار کے آنے پر آپؒ نے خادم کو حکم دیا کہ خوب لذیز اور مزے کے کھانے تیار کرے اور ساتھ ہی جو کا دلیہ بھی بنایا جائے۔ سپہ سالار آیا تو حضرت عمرؒ نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور اس وقت تک باتیں کرتے رہے جب تک سپہ سالار بھوک سے بے تاب نہ ہو گیا۔ وہ حضرت عمرؒ کے ادب واحترام کی وجہ سے کچھ کہہ تو سکتا نہیں تھا مگر چہرے سے صاف عیاں تھا کہ بھوک کے مارے اس کا بُرا حال ہو رہا ہے۔ آپؒ اس کی یہ حالت دیکھ کر خادم سے بولے، "ہمارا کھانا لے آؤ۔" خادم نے جو کا دلیہ لا کر رکھ دیا۔ آپؒ نے سپہ سالار سے کہا "بسم اللہ کیجئے" سپہ سالار کو سخت بھوک لگی ہوئی تھی وہ انکار نہ کر سکا اور جو کا دلیہ کھانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد آپؒ نے خادم سے کہا "ہمارے مہمان کا کھانا لے آؤ۔" خادم نے حکم کی تعمیل کی اور تیار شدہ لذیز کھانے حاضر کر دیئے۔

حضرت عمرؒ مہمان سے بولے "یہ جو کا دلیہ تو میرے لئے تھا آپ اپنا کھانا تناول فرمائیں۔" سپہ سالار بولا اے "امیر المومنین! میرا پیٹ تو جو کے دلیے سے ہی بھر گیا ہے اب میرے پیٹ میں تو ایک لقمے کی بھی جگہ نہیں ہے۔" یہ سُن کر حضرت عمرؒ بولے "اس جو کے دلیے پر بمشکل ایک درہم خرچ آیا ہے۔ اگر تم ایک درہم میں پیٹ بھر کر کھا سکتے ہو تو کس کے لئے ایک ہزار درہم کھانے پر خرچ کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اگر تم یہی ایک ہزار درہم غریبوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرو تو صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی فائدہ ہو گا۔" سپہ سالار یہ سُن کر بہت شرمندہ ہوا اور ساری زندگی سادگی سے گزارنے کا عہد کیا۔

سید قاسم مجتبیٰ ہمدانی، لاہور

ماہِ رواں کی پہلی بات

کسی ملک میں انتخابات کیوں ہوتے ہیں؟ تاکہ عوام اپنے نمائندے چُن سکیں اور پھر یہ منتخب نمائندے ملک کا نظام عوام کی خواہشات کے مطابق چلائیں۔ ہمارے ملک میں چند برسوں کے اندر اندر کئی انتخابات ہو چکے ہیں لیکن بدقسمتی سے کسی بھی حکومت کو اپنی مدت پوری کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ اب ایک بار پھر ملک میں انتخابات کی گہما گہمی ہے۔ ہر طرف پوسٹروں اور بینروں کی بہار ہے۔ جلسے جلوسوں کا سماں ہے۔ سیاسی جماعتیں سرگرم عمل ہیں۔ ان دنوں ہر سیاسی جماعت کو سیاسی کارکنوں کی ضرورت ہے۔ ایسے سیاسی کارکن جو ان کے حق میں نعرے لگا سکیں اور گھر گھر جا کر ان کے امیدواروں کے لئے کنویسنگ کر سکیں۔ چونکہ اس طرح کے کام اسکولوں اور کالجوں کے طلبا و طالبات گرم جوشی سے کر سکتے ہیں اس لئے سیاسی جماعتیں مختلف طریقوں سے انہیں اپنا حامی بنانا چاہتی ہیں۔

ہماری رائے میں الیکشن لڑنا بڑوں کا کام ہے لہٰذا یہ معاملہ انہیں خود ہی طے کرنا چاہئے۔ ویسے بھی ہمارے ملک میں اب تک صاف ستھری سیاست کی روایت قائم نہیں ہوئی ہے۔ انتخابات میں ہنگامے اور لڑائی جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ طالب علموں کا اس قسم کی سیاست میں حصہ لینا عام طور پر نقصان دہ ہوتا ہے۔ ایک طرف ان کی تعلیم کا حرج ہوتا ہے تو دوسری طرف وہ خواہ مخواہ ہنگامہ آرائی میں ملوّث ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمارے ساتھیوں کو ان سیاسی ہنگاموں اور شور و غوغا سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھنا چاہئے کیونکہ ابھی تو انہیں ووٹ دینے کا بھی حق حاصل نہیں ہے لیکن اگر اس کے باوجود کچھ ساتھی الیکشن کی سرگرمیوں میں حصہ لینا ہی چاہتے ہیں تو پھر انہیں سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہئے۔ انہیں ایسی سیاسی جماعت اور ایسے امیدواروں کے لئے کام کرنا چاہئے جن کا ماضی بے داغ ہو، جن کی شہرت اچھی ہو اور جو اپنے دل میں ملک و قوم کا درد رکھتے ہوں۔ کسی ایسے امیدوار کے لئے کام کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے جو اپنی دولت کے بل پر الیکشن لڑ رہا ہو اور جس سے آئندہ ذاتی فائدہ پہنچنے کی امید ہو۔ یاد رکھیے، آپ کے ملک کو ایک اچھی قیادت کی ضرورت ہے۔ اچھے لوگ منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچیں گے تو اس کا فائدہ ملک کو پہنچے گا اور جب ملک مضبوط ہو گا تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم دنیا میں ایک مضبوط قوم کی حیثیت سے ابھریں گے۔ گویا یہ انتخابات اصل میں ہم سب کے لئے آزمائش ہیں کہ ہم بحیثیت قوم اپنے لئے کیسے رہنما منتخب کرتے ہیں اور یہ سوال سیاسی طور پر پُرجوش ساتھیوں کے بھی سوچنے کا ہے کہ وہ کس قسم کے رہنماؤں کے لئے کام کرتے ہیں۔ خدا ہماری قوم کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

آپ کا دوست

ظفر محمود شیخ

حمدِ باری تعالیٰ

آصف وقار آصف

تری ذات کی نہ مثال ہے — تری ذات ذاتِ کمال ہے
کبھی آب میں کبھی رنگ میں — کبھی تتلیوں کے ہے انگ میں
کبھی پھول میں کبھی سنگ میں — سبھی شے میں تیرا جمال ہے

تری ذات ذاتِ کمال ہے

ہمیں بخشی تو نے ہی بندگی — تیرے آگے جھکتے ہیں ہم سبھی
کرے پل میں موت کو زندگی — یہ فقط ترا ہی کمال ہے

تری ذات کی نہ مثال ہے

رہے آنکھ میں، رہے دل میں تو — ہے یہاں بھی تو، ہے وہاں بھی تو
ترے جلوے بکھرے ہیں چار سو — ترا پھیلا جاہ و جلال ہے

تری ذات ذاتِ کمال ہے

ہے ترا ہی حسن یہ کہکشاں — یہ مہ و قمر ہیں ترا نشاں
تری حمد میں ہے سبھی جہاں — میرے دل میں تیرا خیال ہے

تری ذات ذاتِ کمال ہے

سنتِ رسول کی پیروی کیجئے

حماد خالد فیاضی

سنت وہ افعال ہیں جو پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں انجام دیئے۔ ان کے اُمتی ہونے کے ناتے ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارے دن اور راتیں سنت رسولؐ کے مطابق بسر ہوں۔ روز مرّہ زندگی میں ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے کام ہیں جو ہم بس ایک عادتاً کرتے چلے جاتے ہیں لیکن اگر ہم انہی کاموں کو سنتِ رسولؐ کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کریں تو اس کا بہت اجر و ثواب ہے۔ مثلاً ہم جوتے پہنتے ہیں تو بغیر سوچے سمجھے بس پہن لیتے ہیں جبکہ ہمارے رسول اکرمؐ کا عمل یہ تھا کہ جوتے پہنتے وقت آپؐ پہلے دایاں پاؤں جوتے میں ڈالتے اور پھر بایاں پاؤں۔ اسی طرح جوتے اتارتے وقت آپ پہل بائیں پاؤں سے کرتے۔ دیکھا آپ نے!! کتنا چھوٹا سا کام اور سنت کی ادائیگی کا ثواب بھی۔

اس مضمون میں ہم رسول پاک صلی اللہ علیہ

وسلم کی روز مرہ کی عاداتِ طیبہ کے بارے میں بیان کریں گے اس یقین کے ساتھ کہ آپ ابھی سے ان سنتوں پر عمل شروع کر دیں گے۔

کھانے کے متعلق:

۱۔ حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ رسول پاکؐ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا برکت کا باعث ہے۔

۲۔ آپ ٹیک لگا کر کھانا تناول نہ فرماتے تھے۔ کھانے کے وقت آپ اکڑوں بیٹھتے تھے۔ تواضع کی خاطر آپ دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے۔

۳۔ جب کھانا آتا تو آپ فرماتے

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَافِیْ مَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اے اللہ تو نے ہمیں جو رزق عطا فرمایا اس میں برکت دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم فرمانے والا ہے۔

۴۔ جب آپؐ پہلا لقمہ لیتے تو فرماتے یَا وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃ ○ اے بہت بخشنے والے۔

۵۔ آپؐ سیدھے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھانا شروع فرماتے۔

۶۔ آپ کھانے میں کبھی عیب نہ بتاتے تھے۔ چاہا تو کھالیا ورنہ چھوڑ دیا۔

۷۔ کھانے پینے کی چیز کو آپؐ نہ کبھی پھونک مارتے اور نہ کبھی سونگھتے اور اس کو بُرا جانتے۔

۸۔ کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے پھر بعد میں ان کو چاٹ بھی لیتے تھے۔ آپ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے، پھر شہادت کی اور پھر انگوٹھا۔

۹۔ کھانا اگر برتن کی چوٹی تک ہوتا تو آپؐ اپنے سامنے سے نیچے کی جانب سے شروع فرماتے۔

۱۰۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد آپؐ یہ پڑھتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔

۱۱۔ حضرت اسماؓ سے مروی ہے کہ جب آپؐ کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپؐ اس کو اس وقت تک ڈھانپ کے رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ ہو جاتا اور فرمایا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ سرد کھانے میں عظیم برکت ہے۔

۱۲۔ رسول اکرمؐ کھانے کے بعد پانی نوش نہ فرماتے کیونکہ ایسا کرنا ہاضمے کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

۱۳۔ آپؐ نے فرمایا کہ معدہ کا ایک تہائی کھانے کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی خود معدہ کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ مطلب یہ کہ پیٹ بھر کر نہیں بلکہ بھوک رکھ کر کھانا چاہئے۔

۱۴۔ آپؐ رات کا کھانا ضرور تناول فرماتے تھے اگرچہ کھجور کے چند دانے ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۵۔ روٹی کا کوئی ٹکڑا کسی پاک جگہ پر پڑا ہوتا تو آپ اس کو صاف کر کے کھا لیتے۔ حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جو دسترخوان پر گری ہوئی چیز اٹھا کر کھاتا ہے اس سے محتاجی دور کی جاتی ہے۔

۱۶۔ دوپہر کے کھانے کے بعد تھوڑی دیر لیٹ جانا بھی سنت ہے۔

۱۷۔ کھانے کے بعد دسترخوان پہلے اٹھایا جاتا اور آپ بعد میں اٹھتے۔

۱۸۔ کھانا شروع کرتے وقت اگر بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہے تو درمیان میں یا بعد میں یاد آنے پر بسم اللہ اول و آخر پڑھ لینا چاہئے۔

مشروبات میں عاداتِ طیبہ:

۱۔ رسول پاک پانی پینے میں تین بار سانس لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طرح پانی پینا زیادہ خوشگوار ہے۔ خوب سیر کرنے والا ہے اور حصول شفا کے لئے بہتر ہے۔

۲۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی پانی پئے تو پیالے میں سانس نہ لے بلکہ پیالے سے منہ ہٹالے۔

۳۔ رسول اکرم نے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے پانی پینے کو منع فرمایا ہے۔

۴۔ آپ ورزش کے بعد، تھکان ہونے پر کھانا یا پھل کھانے کے بعد اور غسل کے بعد پانی پینے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

۵۔ رسول پاک علی الصبح شہد میں پانی ملا کر نوش فرماتے تھے۔

۶۔ آپ کبھی خالص دودھ پیتے اور کبھی اس میں پانی ملا کر (لسی کی صورت میں)۔ دودھ پینے کے بعد آپ نے یہ دعا پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ ○

اے اللہ تو اس میں ہمیں برکت دے اور اس سے زیادہ نصیب فرما۔

لباس میں معمول مبارک:

۱۔ جب آپ قمیض زیب تن فرماتے تو پہلے دایاں ہاتھ آستین میں ڈالتے اور پھر بایاں ہاتھ۔

۲۔ سفید لباس آپ کو بہت محبوب تھا۔ سبز رنگ کا لباس بھی طبیعت پاک کو پسند تھا البتہ سرخ رنگ کا لباس آپ کو بہت زیادہ ناپسند تھا۔

۳۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیا لباس جمعہ کے دن پہنتے تھے۔

۴۔ جو کپڑا پرانا ہو جاتا آپ اسے خیرات کر دیتے۔

۵۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمان کی لنگی (یا شلوار وغیرہ) آدمی پنڈلی تک ہونی چاہئے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنے حصے پر لنگی (شلوار) لٹکے گی وہ حصہ آگ میں جلے گا اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائیں گے۔

۶۔ جوتے یا کوئی اور چیز پہنتے وقت آپ دائیں طرف سے ابتدا کرتے اور اتارتے وقت بائیں جانب

سے۔

بوقت نیند آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات:

۱۔ رسول پاک ؐ عشا سے پہلے کبھی نہ سوتے۔

۲۔ سونے سے پہلے آپ ؐ مسواک کرتے۔ وضو ادا کرتے اور بالوں اور داڑھی میں کنگھی فرماتے۔

۳۔ آپ ؐ سونے سے قبل سرمہ لگاتے تو ہر آنکھ مین تین تین مرتبہ سلائی پھیرتے اور آخری سلائی دونوں آنکھوں میں لگا لیتے۔

۴۔ آپ ؐ رات کو ایسے گھر میں آرام نہ فرماتے جہاں چراغ نہ جلایا گیا ہو (موجودہ دور میں چراغ کی جگہ زیرو پاور کا بلب استعمال ہو سکتا ہے۔)

۵۔ رات کو سوتے وقت آپ ؐ شکم سیر نہ ہوتے تھے۔

۶۔ آپ بقدر اعتدال سوتے یعنی نہ بہت زیادہ اور نہ بہت کم۔

۷۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ؐ ہر رات جب بستر پر لیٹتے تو دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کے انداز میں طرح ملا کر سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ان پر دَم فرماتے پھر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا پھیر لیتے۔ تین مرتبہ یہی عمل دہراتے۔

۸۔ بستر پر تشریف لے جاتے وقت آپ ؐ یہ پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی

اے اللہ! میں تیرا نام لے کر مرتا اور جیتا ہوں۔

۹۔ بیدار ہونے پر آپ ؐ یہ آیت پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْر

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے ہمیں مار کر زندگی بخشی اور ہمیں اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

۱۰۔ رات کے کسی حصے میں آنکھ کھلتی تو آپ ؐ قضائے حاجت کے بعد ہاتھوں اور چہرے کو دھو کر سو جاتے۔

۱۱۔ آپ ؐ ابتدائے شب میں سوتے اور آخر شب میں بیدار ہو کر تہجد ادا فرماتے۔

۱۲۔ آپ ؐ داہنی کروٹ لے کر سوتے اور دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھ لیتے تھے۔

متفرق عاداتِ مبارکہ ؐ:

۱۔ آپ ؐ جب سر میں تیل لگانے کا ارادہ فرماتے تو پہلے ابروؤں میں تیل لگاتے پھر آنکھوں پر اور پھر سر میں تیل لگاتے۔

۲۔ ہاتھ کے ناخن کاٹتے وقت رسول پاک ؐ اس ترتیب کو ملحوظ رکھتے۔ سیدھا ہاتھ: شہادت کی انگلی سے چھوٹی انگلی تک بایاں ہاتھ: چھوٹی انگلی، اس کے برابر والی انگلی، بیچ کی انگلی، اس کے برابر والی انگلی، انگوٹھا اور پھر سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا۔

۳۔ پاؤں کے ناخن کاٹتے وقت یہ ترتیب ہوتی تھی۔ سیدھا پاؤں: چھوٹی انگلی سے شروع کر کے بالترتیب انگوٹھے تک۔ بایاں پاؤں: انگوٹھے سے شروع کر کے بالترتیب چھوٹی انگلی تک۔ رسول

پاکؐ پندرھویں دن ناخن کاٹتے تھے۔
۴۔ آپؐ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔
۵۔ آپؐ جب آئینہ میں چہرہ انور دیکھتے تو فرماتے

اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ

الٰہی تونے جس طرح مجھے اچھا بنایا ایسے ہی میرا اخلاق بھی اچھا بنا۔
۶۔ آپ نے پیٹ کے بل الٹے لیٹنے سے منع فرمایا ہے۔
۷۔ آپؐ سر میں تیل لگاتے تو پیشانی کے رخ سے شروع فرماتے۔
۸۔ جب خواب میں کوئی ناپسندیدہ بات دیکھتے تو آپؐ بائیں طرف تین بار تھتکار دیتے اور تین بار اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھ لیتے۔
۹۔ بیت الخلا جاتے وقت آپؐ بایاں پاؤں پہلے اندر رکھتے اور یہ دعا پڑھتے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبیث جنوں اور خبیث چیزوں سے۔
۱۰۔ بیت الخلا سے باہر تشریف لاتے وقت دایاں پاؤں باہر رکھتے اور یہ پڑھتے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیَ الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھ سے ایذا دینے والی چیزیں دور کیں اور مجھے چین دیا۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اتباع سنت کا اہتمام کریں اور خود عمل کرنے کے بعد دوسروں تک ان کو پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سنتوں پر عمل کرنے کی ہمت اور طاقت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

(اسوۂ رسول اکرمؐ ـــ مؤلفہ ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ)

صبر اور جنت

رسول اکرمؐ نے فرمایا جس کی بینائی سلب ہو جائے (آنکھیں جاتی رہیں) اور وہ اس پر صبر و شکر کرے۔ اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جو اپنی تین بچیوں کو ادب سکھائے، مناسب تعلیم دے اور ان کی شادی کر دے اور اگر خدانخواستہ ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اس پر بھی جنت واجب ہو جائے گی۔ ایک دیہاتی نے پوچھا "اگر دو لڑکیاں ہوں تب؟" فرمایا "تب بھی!!"

زندگی

زندگی ایک ایسے شعلے کی مانند ہے جو ہمیشہ روشن رہتا ہے۔
بہادر کا امتحان جنگ کے میدان میں ہوتا ہے۔
مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔
ہر بڑا کام شروع کرنے سے پہلے اپنی ذات میں اعتماد پیدا کریں۔
مشکل کام پہلے کرو تاکہ تمہیں کوئی سہل پسندی کا طعنہ نہ دے۔
مرسلہ ...... شمیم اقبال محسن، گوجرانوالہ

آنکھ مچولی فیسٹول

منیر احمد راشد

آنکھ مچولی کے بہترین مصنفوں میں تقسیم ایوارڈ اور مختلف مقابلوں کی دلچسپ روداد

صبح کے تقریباً دس بجے تھے۔ جب ہم فاران کلب انٹرنیشنل کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوئے۔ دائیں ہاتھ گہرے سبز لان کے آخری کونے میں سفید قمیض اور سرخ شلوار پہنے میزوں کی ایک قطار لگی تھی۔جس کے پہلو میں خالی کرسیاں سعادت مند بچوں کی طرح چپ چاپ کھڑی تھیں۔ کوئی ذی نفس دکھائی نہیں دے رہا تھا سوائے چوکیدار کے جو دوسرے گیٹ پر کھڑا مونچھوں کو تاؤ دے رہا تھا.....

چند قدم آگے بڑھے تو تہہ خانے میں اچھی خاصی رونق نظر آئی۔ بے ترتیبی سے بکھری ہوئی کتابوں اور رسالوں کے ڈھیر، انسانوں کے درمیان پڑے تھے۔ لوگ جلدی جلدی اِدھر اُدھر آجا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ کتابوں سے بھی چھیڑ خانیاں جاری تھیں۔ کہیں سے میزیں، کرسیاں، میز پوش بھی آئے گئے۔ اور بے ترتیب بکھری ہوئی کتابیں تیزی سے باترتیب اسٹالز کا روپ دھارنے لگیں۔

ہم اور آگے بڑھ گئے۔ چاہا کہ کمرے میں داخل ہو کر رونق کا حصّہ بنیں کہ ایک دروازے سے آنکھ مچولی کے مدیر اعزازی بر آمد ہوئے۔

"ارے بھئی آپ آگئے..... چلیں اوپر..... اور ہاں یہ لیں..... انتظامیہ کا بیج لگائیں۔" سب باتیں اس قدر تیزی سے ہوئیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ ہم کسی معمول کی طرح اوپر ہال میں پہنچے تو یہاں منظر ہی الگ تھا۔ بچے مع اپنے بڑوں کے تشریف لا چکے تھے اور پروگرام کے شروع کرنے پر اصرار کر رہے تھے۔ جی ہاں ہم آنکھ مچولی فیسٹول کا ذکر کر رہے ہیں جو چھ ستمبر کو فاران کلب میں منایا گیا۔

مدیرِ اعزازی کے زیرِ ہدایت انتظامیہ کے بیج تلے دبے ہم سرخ و سفید پوش میزوں کی اس قطار کے سامنے بیٹھ گئے جو اوپر ہال کے سامنے بر آمدے میں لگائی گئی تھی۔ ایک بڑا سا خالی ڈبہ ہمارے پڑوس میں بیٹھا تھا۔ جس کے پیٹ پر لکھا تھا۔ "کوپن یہاں ڈالیے۔" یہ کوپن آنکھ مچولی کے قارئین کو رسالے کے ساتھ مفت فراہم کئے گئے تھے اور آج قرعہ اندازی کے ذریعے ان میں سے بہت سوں کو انعامات تقسیم کئے جانے تھے۔

یہ بیج کی بڑائی تھی یا کرسی کی کرامت کہ ہمارے وہاں تشریف رکھتے ہی بچوں اور بڑوں کا ایک ہجوم ہمارے گرد جمع ہو گیا۔ اور سر، سر کی میٹھی آوازوں کی سرسراہٹ فضا میں بکھرنے لگی۔ ہمیں ویسے بھی بچوں سے بے پناہ محبت ہے لیکن سر سر کہتے ہوئے بچے تو بہت ہی پیارے لگ رہے تھے۔ (اور شاید اسی وجہ سے ہماری گردن تھوڑی سی اکڑ گئی تھی۔) یہ سب لوگ مختلف مقابلوں میں حصہ لینے کے لئے اپنے ناموں کا اندراج کروا رہے تھے۔ اس بادِ سرسر کے زیرِ اثر ہمارا قلم فرفر چل رہا تھا۔

بچوں کی آتشِ شوق بھڑکانے کے لئے مائک نے آنے میں ذرا دیر کر دی تھی۔ ہم بھی نام لکھنے کے کام سے فارغ ہو چکے تھے۔ سوچا ایک نظر ہال کے اندر بھی ڈال لی جائے۔ پڑوس میں رہتے ہوئے اتنی بے اعتنائی اچھی نہیں۔ اٹھے، دروازے میں کھڑے ہو کر پہلے دائیں اور پھر بائیں دیکھا۔ سامنے بھی نظر کی۔ چند منتظر کرسیوں کے علاوہ باقی تمام اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے تھیں۔ بچوں سے بڑوں تک، مختلف رنگا رنگ ملبوسات پہنے لوگ بیٹھے تھے۔ بعض بچوں نے کپڑے کے استعمال میں کافی کفائت برتی تھی۔ اور بعض بڑوں نے آنکھوں کے علاوہ سارے جسم کو ڈھانپ لیا تھا۔ ایک بے چاری انتظامیہ تھی جو آنکھ پر بھی ہاتھ دھرے پھر رہی تھی۔

اسٹیج کے عقب میں آنکھ مچولی فیسٹول کا بینر لگا تھا۔ جس پر ذیلی سرخی کی طرح آج کے پروگرام درج تھے۔ تقریری مقابلہ، مقابلہ کتاب فہمی، آنکھ مچولی رائٹرز ایوارڈ، تصویری نمائش۔ یہیں میز پر آج تقسیم ہونے والے انعامات کے علاوہ وہ شیلڈز بھی رکھی گئی تھیں جو آنکھ مچولی کو گزشتہ چار سال سے اس کی اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف کے طور پر دعوۃ اکیڈمی کی جانب سے ملی تھیں۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی، معروف مزاح نگار جناب کرنل صولت رضا، آنکھ مچولی کے مدیرِ اعلیٰ جناب ظفر محمود شیخ، منتظم اعلیٰ جناب تجمل حسین چشتی، مینجنگ ایڈیٹر جناب محمود احمد فاروقی تشریف لا چکے تھے۔ اور اب بڑی بے چینی سے مائک کا انتظار ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گیٹ کی جانب سے شور اٹھا..... مائک آگیا مائک آگیا۔ (گویا دولہا آگیا) پورے ہال میں خوشی اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

موسم بہت خوش گوار تھا۔ بادلوں سے ڈھکا ہوا آسمان، بدن کو گدگداتی ہوئی، ٹھنڈی ہوا اور رات کی کسی تقریب کے کھانے کی بچی اور ماحول میں رچی ہوئی خوشبو، انسانوں اور مکھیوں کی حسِ لطافت کو "متاثر" کر رہی تھی۔

پروگرام کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ تلاوتِ کلام پاک کے لئے ایک ننھے قاری ڈائس پر تشریف لائے۔ بعد میں جامعہ ملیہ پائلٹ سیکنڈری اسکول ملیر کے فیصل بیگ مرزا نے اپنی خوب صورت آواز میں ہدیہ نعت بحضور سرور کائنات" پیش کیا۔ اس پروگرام کی نظامت جناب خلیل اللہ فاروقی کر رہے

تھے۔ انہوں نے صدرِ مجلس اور مہمانوں کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ صدارت جناب کرنل صولت رضا فرما رہے تھے۔ مدیرِ اعزازی جناب طاہر مسعود نے اپنے استقبالیہ خطبے میں آنکھ مچولی اور آج کی تقریب کی غرض و غائت بیان کرتے ہوئے کہا کہ آنکھ مچولی کا اصل ہدف بچوں میں اسلام اور پاکستان سے محبت اجاگر کرنا اور ان کی صحیح تعلیمی اور اخلاقی تربیت کرنا ہے۔ اس موقع پر انہوں نے یہ خوش خبری بھی سنائی کہ ادارہ آنکھ مچولی نے اپنے بہت ننھے ساتھیوں کے لئے "تتلی" کے نام سے ایک نئے کتابی سلسلے کا بھی اجرا کیا ہے۔ (بعد میں قاعدہ سائز اور چار رنگوں میں چھپا ہوا سولہ صفحے کا یہ رسالہ حاضرین میں مفت تقسیم کیا گیا)

استقبالیہ خطبے کے بعد تقریری مقابلے کا آغاز ہوا۔ موضوع تھا "مطالعے کی اہمیت۔" بائیس مختلف اسکولوں کے مقررین نے بہت تیاری کے ساتھ اس مقابلے میں حصہ لیا۔ ان کے اندازِ تقریر اور موضوع کے حق میں دلائل نے حاضرین کو بہت متاثر کیا۔ خصوصاً جب ننھی سدرہ آغا نے بہت جمے ہوئے لہجے اور جذباتی انداز میں صدرِ مجلس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "صدر محترم! یہ مطالعے ہی کی برکت ہے کہ آج ہم یہاں ہیں۔ اگر مطالعہ نہ ہوتا تو نہ آج میں یہاں تقریر کر رہی ہوتی اور نہ آپ کرسئ صدارت پر جلوہ افروز ہوتے۔" تو ہال دیر تک تالیوں کی آواز اور واہ واہ کے نعروں سے گونجتا رہا۔ تقریری مقابلے کے انعامات کا اعلان کرنے سے پہلے کوپن کی قرعہ اندازی کی گئی اور خوش نصیب نمبروں کو کیلکولیٹر، گھڑیاں، کتابیں اور تتلی انعام کے طور پر دیا گیا۔ مقابلے کے منصفین جناب محمود غزنوی اور جناب کلیم چغتائی کے فیصلے کے مطابق پہلا دوسرا اور تیسرا انعام بالترتیب ہیپی ہوم اسکول کی سدرہ آغا، آغا خان اسکول کھارادر کے عاطف معراج اور عائشہ باوانی اسکول کی علونیہ مشتاق نے حاصل کیا۔ جناب محمود غزنوی نے انعام یافتگان کا اعلان کیا اور صدرِ مجلس جناب کرنل صولت رضا نے انعامات تقسیم کئے۔ اسی دوران حاضرین میں لنچ بکس اور کولڈ ڈرنکس تقسیم کئے گئے۔

تقریری مقابلے کو مقررین کی بھرپور تیاری اور حاضرین کی بھرپور توجہ کے علاوہ جس چیز نے مزید دلچسپ بنایا وہ تھی جناب خلیل اللہ فاروقی کی کمپیئرنگ۔ وہ درمیان درمیان میں برمحل اور خوبصورت اشعار اور مزیدار لطائف بڑے اچھے انداز میں سناتے رہے۔ ایک لطیفے پر تو حاضرین دیر تک ہنستے رہے۔ یہ لطیفہ زبان کے حوالے سے تھا۔

"ایک صاحب لکھنؤ سے لاہور پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ خریداری کی نیت سے پھلوں کے ٹھیلے والے کے پاس پہنچے اور بڑی نستعلیق اردو میں پوچھنے لگے۔

"بھائی آپ یہ سیب وزناً بیچ رہے ہیں یا عدداً بیچ رہے ہیں۔"

"اسی تے دُھنا دُھن بیچ رہے ہیں۔" اُن

آنکھ مچولی اور فاران کلب کا تعاون جاری رہے گا۔ عبدالرحمٰن چھاپرا

بچوں کے مقبول شاعر پروفیسر عنایت علی خان

اگلا تقریری مقابلہ وقت کی اہمیت پر ہونا چاہئے۔ کرنل صولت رضا

بچوں کے لئے آنکھ مچولی نے اپنا فرض ادا کیا اب حکومت کی باری ہے۔ مدیر اعزازی طاہر مسعود

کوا بولا کائیں کائیں۔ سارے بھائی مل کر کھائیں۔ عنایت علی خاں کلام سناتے ہوئے

اوّل انعام یافتہ مقررہ سدرہ تصویری نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے۔ مدیر منتظم محمود فاروقی بھی کھڑے ہیں

تقریر میں زبانی کر رہی ہوں، کاغذ پہ تو صرف پوائنٹس لکھے ہیں۔

بذلہ سنجی اور جملے بازی کے بغیر اچھی کمپئرنگ نہیں ہو سکتی معوذ اسعد صدیقی

مطالعہ روح کی غذا ہے۔ ایک مقررہ

جو بچے مطالعہ نہیں کرتے وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتے

آؤ بچو سیر کرائیں تم کو پاکستان کی۔ فیصل بیگ مرزا

آنکھ مچولی فیسٹول نے مجھے متاثر کیا۔
صدر تقریب شان الحق حقی

مدیر اعلیٰ آنکھ مچولی ظفر محمود شیخ مہمانِ خصوصی کو "شیلڈ" پیش کر رہے ہیں

آنکھ مچولی نے واقعی قوم کی خدمت کی ہے۔
وزیر اطلاعات سندھ حکیم محمد احسن

بچوں کے بہترین ناول نگار اخلاق احمد (معند حق اسکواڈ) ایوارڈ وصول کرتے ہوئے

سلمان غزالی آنکھ مچولی کے بہترین کہانی نویس قرار پائے۔

عقیل عباس جعفری بہترین مضمون نگار اپنا ایوارڈ تھامے ہوئے۔

آنکھ مچولی کے بہترین مزاح نگار احمد حاطب صدیقی

بچوں کے بہترین شاعر شاہ نواز فاروقی

ظفر محمود شیخ، صدر تقریب کو بیج لگاتے ہوئے

شعلہ بیان مقرر محمود غزنوی مطالعہ کے فوائد بیان کر رہے ہیں۔

خلیل اللہ فاروقی قرعہ اندازی کے انعام کا اعلان کر رہے ہیں۔

"مقابلہ کتاب فہمی" کے شرکاء "راہ نما" کے مطالعے میں منہمک ہیں

ایک یادگار دن کی تصویر۔ ایوارڈ یافتگان صوبائی وزیر اطلاعات کے ساتھ

سنجیدہ اور پُروقار تقریب کے حاضرین کا ایک منظر

پڑھ پھل فروش نے جواب دیا۔

ایک اور دلچسپ بات یہ ہوئی کہ محمود غزنوی نے مقررین کی تقریروں پہ تبصرہ کرتے ہوئے جب زبان و بیان کی غلطیوں کی طرف توجہ دلائی اور مقررین کے تلفظ کی غلطیاں گنوائیں تو صدر مجلس کرنل صولت رضا نے مدیر اعزازی کے کان میں کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ میری تقریر ان کی تقریر کے بعد ہے ورنہ میری تقریر کا بھی یہ کچومر نکال دیتے۔"

تقریری مقابلے کے بعد بیک وقت دو پروگراموں کا آغاز ہوا۔ ایک مقابلہ کتاب فہمی اور دوسری تصویری نمائش۔ مقابلہ کتاب فہمی ایک طرح کا اوپن بک ٹیسٹ تھا۔ تیس بچوں نے اس مقابلے میں حصہ لیا۔ انہیں ایک کتاب "راہ نما" سوالنامے اور جوابی کاغذ کے ساتھ فراہم کر دی گئی۔ دو گھنٹے کے اس پرچے میں انہیں کتاب سے متعلق دس آسان سوالوں کا جواب دینا تھا۔ ابتدا میں اس مقابلے کو صرف نویں دسویں کے طلبہ و طالبات تک محدود رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا لیکن بچوں کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے اس میں چھوٹی کلاسوں کے بچوں کو بھی حصہ لینے کی اجازت دے دی گئی۔ یہاں تک کہ چوتھی کلاس کی ایک بچی، شیڈو آف یونیورسٹی اسکول کی ثانیہ بھی مقابلے میں شامل ہو گئی۔ یہ اتنی ننھی بچی تھی کہ کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس کے پاؤں بھی زمین پر نہیں لگتے تھے۔ دیگر چھوٹے بچے جن کا تعلق ساتویں آٹھویں تک کی جماعتوں سے تھا، کتاب سامنے رکھے زور زور سے مطالعہ کر رہے تھے جیسے سپارے کا سبق یاد کر رہے ہوں۔ بس بڑی کلاس کے بچے ہی تھے جو تفکر سے مطالعے میں محو تھے اور اصل مقابلہ بھی انہیں کے درمیان تھا۔ ایک اچھی بات یہ بھی دیکھنے میں آئی کہ بہت قریب قریب بیٹھے ہونے کے باوجود کسی نے کسی دوسرے کی نقل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

اس مقابلے کا مقصد بچوں کو مطالعے کے آداب سکھانا تھا۔ مقابلے سے پہلے اس طرف ان کی توجہ دلا دی گئی تھی۔ اس مقابلے کے منتظم آنکھ مچولی کے مدیر معاون جناب منیر احمد راشد یعنی "ہم" تھے۔ منصفین جناب کلیم چغتائی اور جناب سہیل احمد صدیقی تھے۔ میڈیکو ہائی اسکول لانڈھی کے عابد انور نے پہلا، گلستان شاہ عبداللطیف اسکول کی سدرہ امجد نے دوسرا آغا خان اسکول کی فرح ناز نے تیسرا انعام حاصل کیا۔

تصویری نمائش کا افتتاح کسی وزیر یا گورنر سے کروانے کے بجائے تقریری مقابلے کی اوّل انعام یافتہ سدرہ آغا سے کروا کر ایک نئی روایت ڈالی گئی۔ نمائش میں آنکھ مچولی کے آرٹسٹ جناب مومن رحیم کے بنائے ہوئے آنکھ مچولی کے سرورق اور رنگین اسکیچز کے علاوہ ننھے مصوروں کی تخلیقات بھی رکھی گئی تھیں۔ بلکہ یہ بھی ایک طرح سے ایک انعامی مقابلہ ہی تھا۔ بچوں کو "سگریٹ نوشی کے خلاف، ماحول کی آلودگی اور دفاع وطن

کے موضوعات دیئے گئے تھے، جن پر انہوں نے اپنے خیالات کو کینوس پر منتقل کیا تھا۔ نمائش بہت جاندار رہی۔ بچوں اور بڑوں نے اسے بہت پسند کیا۔ بلکہ مطالبہ کیا کہ تصاویر اور زیادہ ہونی چاہئے تھیں۔ اس مقابلے کے منصفین دو منجھے ہوئے آرٹسٹ جناب مومن رحیم اور جناب عالی جمال تھے۔

یہ نمائش فدان کلب کے نچلے ہال میں لگائی گئی تھی۔ ہال سے باہر کتابوں کے اسٹالز تھے۔ جن پر خریدنے والوں اور محض دیکھنے والوں کا ہجوم لگا ہوا تھا۔ یہ اسٹال پاکستان کوئز سوسائٹی، فرید پبلشرز کراچی اور ادارہ آنکھ مچولی کے تحت لگائے گئے تھے۔ بیچنے کے علاوہ یہاں سے بہت سی کتابیں لوگوں کو تحفتاً بھی دی گئیں۔

فیسٹول کا سب سے اہم پروگرام آنکھ مچولی رائٹرز ایوارڈ شام چھ بجے شروع ہوا۔ تقریب کی صدارت معروف ادیب اور نقاد جناب شان الحق حقی نے کی جبکہ مہمان خصوصی صوبہ سندھ کے وزیر اطلاعات جناب حکیم محمد احسن تھے۔ نظامت کے فرائض جناب معوذ اسعد صدیقی نے انجام دیئے۔ مدیر اعزازی جناب طاہر مسعود نے پہلے خطبہ استقبالیہ پیش کیا جس میں انہوں نے ملک بھر کے بچوں کے مسائل پر روشنی ڈالی اور پھر اسی حوالے سے آنکھ مچولی کی خدمات گنوائیں۔ انہوں نے آنکھ مچولی کے مدیر اعلیٰ جناب ظفر محمود شیخ کو بچوں کی ذہنی و اخلاقی تربیت میں دلچسپی لینے پر خراجِ تحسین پیش کیا۔ پروگرام کے دوران فوٹو گرافر کے رول تبدیل کرنے کے وقفے میں بچوں اور بڑوں میں یکساں مقبول شاعر جناب پروفیسر عنایت علی خان کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ پروفیسر صاحب اس پروگرام میں شرکت کے لئے خاص طور پر حیدر آباد سے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے پُر مغز اور پُر مزاح اشعار سے محفل کو زعفران زار بنا دیا۔ خصوصاً الیکشن کے حوالے سے اس سہ مصرعی کو بہت پسند کیا گیا۔

آگئے ہیں الیکشن کے پھر دورا ہے پر بھائی کدھر جائیں
ایک طرف میاں ہے ایک طرف مائی کدھر جائیں
ایک طرف کنواں ہے ایک طرف کھائی کدھر جائیں

آنکھ مچولی ایوارڈز کی چونکہ یہ پہلی تقریب تھی اس لئے اس میں ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۲ء تک چھپنے والی تحریروں پر مجموعی طور پر انعامات دیئے گئے۔ بہترین کہانی کار کا انعام سلمان غزالی نے حاصل کیا۔ سلمان میڈیکل کے اسٹوڈنٹ ہیں اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہیں وہ آنکھ مچولی کی دعوت پر لاہور سے تشریف لائے تھے۔ بہترین شاعر کا ایوارڈ بچوں کے پسندیدہ اور مقبول شاعر شاہنواز فاروقی نے حاصل کیا۔ قارئین آنکھ مچولی ان سے خوب واقف ہیں کیونکہ یہ پہلے آنکھ مچولی سے وابستہ تھے۔ انہوں نے بچوں کے لئے بہت ہی خوب صورت نظمیں کہی ہیں۔ بہترین ناول نگار کا انعام، حق اسکواڈ" کے خالق، اخلاق احمد کو دیا گیا۔ بہترین مضمون نگار، عقیل عباس جعفری

اور بہترین مزاح نگار احمد حاطب صدیقی قرار پائے۔ احمد حاطب بھی اسلام آباد سے آنکھ مچولی کی خصوصی دعوت پر اس پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ ایک شیلڈ بزرگ ادیب کے لئے بھی رکھی گئی تھی جو جناب پروفیسر عنائت علی خان کی نذر کی گئی۔ اس کے علاوہ فرزانہ روحی، شازیہ فرحین، مس فرحین، مصطفےٰ چاند، عمران مشتاق، عظمیٰ تسنیم، سیدہ نسرین اعجاز، محمود شاہد، بن یامین، اظہر نیاز، ضیا الرحمٰن ضیا، محمد جاوید خالد، محمد بن مالک، سیما صدیقی، نائلہ صدیقی اور جناب عبد القادر کو آنکھ مچولی قلم کار نشان دیئے گئے۔

مہمانِ خصوصی نے انعامات تقسیم کئے اور ان کے اختتامی کلمات کے ساتھ ہی اس رنگا رنگ تقریب کا اختتام ہو گیا ..... اور حاضرین کو ان میزوں کی طرف لے جایا گیا جہاں "سامانِ لذتِ کام و دہن" ان کا منتظر تھا۔

اس میلے کا سب سے آخری پروگرام رات کے اندھیرے میں شروع ہوا۔ یہ آنکھ مچولی کے لئے لکھنے والوں، آنکھ مچولی کے اراکین، پرنٹر، بائنڈر اور ایجنٹس کے اعزاز میں دیا جانے والا سالانہ عشائیہ تھا۔ یہ کھانے پینے کی بات ہے۔ یعنی آپس کی بات نہیں ہے، گھر کی بات ہے۔ پھر بھلا ہم آپ کو کیوں بتائیں کے رات کے گیارہ بجے تک ہم کیا کیا کھاتے رہے۔

پہچانئے اپنے آپ کو

○ ..... دنیا میں چار قسم کے انسان پائے جاتے ہیں۔

○ ..... پہلے وہ جو کچھ نہیں جانتے اور نہیں جانتے کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔

○ ..... دوسرے وہ جو کچھ نہیں جانتے اور جانتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔

○ ..... تیسرے وہ جو سب کچھ جانتے ہیں اور نہیں جانتے کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

○ ..... چوتھے وہ جو سب کچھ جانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

○ ..... پہلے قسم کے لوگ بے وقوف ہیں، ان سے گریز کیجئے۔

○ ..... دوسری قسم کے لوگ سادہ لوح ہیں، انہیں تعلیم دیجئے۔

ایک عجیب و غریب عالمی ریکارڈ

مسلسل تالی بجانے کا عالمی ریکارڈ تامل ناڈو کے "وجیہ رامن" نے قائم کیا۔ ۱۲ سے ۱۵ فروری ۱۹۸۸ء کو وہ مسلسل ۵۸ گھنٹے ۹ منٹ تک دونوں ہاتھوں سے تالی بجاتا رہا۔ اس مقابلے کی بنیادی شرط یہ تھی کہ ایک منٹ میں اوسطاً ۱۶۰ تالیاں بجائی جائیں۔ اور تالیوں کی آواز اتنی ہو کہ ۱۲۰ گز دور تک سنی جا سکے۔

مرسلہ ..... علی حمزہ، مخدوم پور پہوڑاں

بچّوں کے قوال

عبدالقادر

پہلی پارٹی: خدا کے سامنے سر کو جھکا کر ہم بھی دیکھیں گے
بزرگوں کی نصیحت آزما کر ہم بھی دیکھیں گے

دوسری پارٹی: کتابیں کاپیاں اپنی جلا کر ہم بھی دیکھیں گے
سدا کھیلوں میں اپنا دل لگا کر ہم بھی دیکھیں گے

پہلی پارٹی: حصولِ علم انساں کے لئے بے حد ضروری ہے
نہیں یہ روشنی تو زندگی اپنی ادھوری ہے
حصولِ علم میں دولت بہا کر ہم بھی دیکھیں گے
جہالت کو زمانے سے مٹا کر ہم بھی دیکھیں گے

دوسری پارٹی: ہمیں اسکول میں استاد جی مرغا بناتے ہیں
ذرا سی بھی خطا ہو جائے تو ڈنڈے لگاتے ہیں
کبھی استاد کا بدلہ چکا کر ہم بھی دیکھیں گے
جو دل میں آگ ہے اس کو بجھا کر ہم بھی دیکھیں گے

پہلی پارٹی: ہمیں ہر حال میں استاد کی تعظیم کرنا ہے
وہ محنت سے پڑھاتے ہیں ہمیں تسلیم کرنا ہے
دلوں میں علم و حکمت کو سما کر ہم بھی دیکھیں گے
ہمیشہ علم کی شمعیں جلا کر ہم بھی دیکھیں گے

دوسری پارٹی: شرارت میں گزرتی جا رہی ہے زندگی اپنی
یہی ہے مشغلہ اپنا، اسی میں ہے خوشی اپنی
پھلوں کے باغ سے کیلے چرا کر ہم بھی دیکھیں گے
ملے فرصت تو مالی کو ستا کر ہم بھی دیکھیں گے

پہلی پارٹی: دلوں میں خدمتِ انسان کے جذبات بھر دیں گے
محبت کی فضا سارے جہاں میں عام کر دیں گے
کسی کے زخم پر مرہم لگا کر ہم بھی دیکھیں گے
محبت کی حسیں دنیا بسا کر ہم بھی دیکھیں گے

دوسری پارٹی: خدا کے سامنے سر کو جھکا کر ہم بھی دیکھیں گے
بزرگوں کی نصیحت آزما کر ہم بھی دیکھیں گے

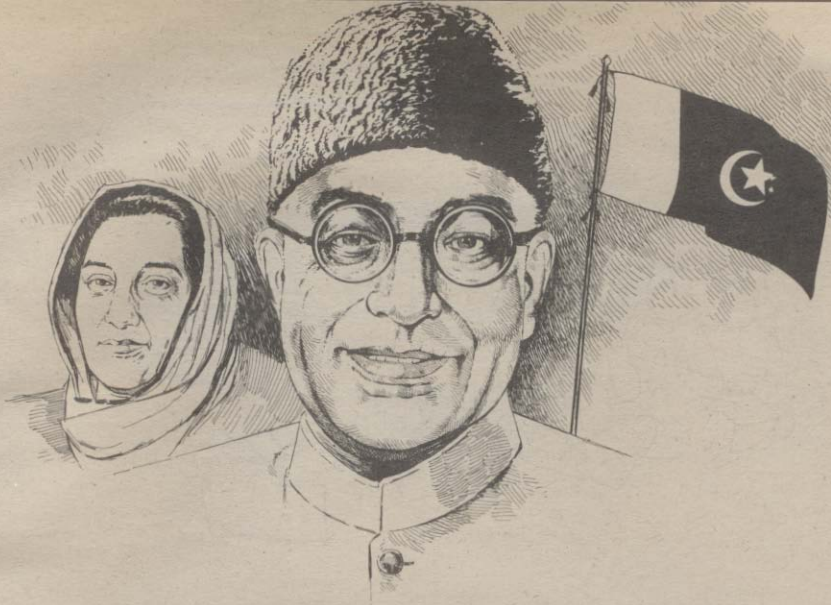

قائد کے ساتھی قوم کے قائد

غلام عباس طاہر

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم اور تحریک آزادی کے زبردست مجاہد لیاقت علی خان قائد اعظم کے دست راست تھے۔ آپ کی شاندار خدمات کی وجہ سے ملک میں آپ کو قائد اعظم کے بعد سب سے زیادہ عزت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے آپ کی زندگی کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے:

آپ کا نسب ایران کے مشہور بادشاہ نوشیرواں عادل سے ملتا ہے۔

آپ یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے۔

آپ کے والد کا نام نواب رستم علی خاں تھا۔ آپ کی جاگیر دریائے جمنا کے مشرقی کنارے پر صوبہ اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر میں تھی اور مغربی کنارے پر یہ جاگیر صوبہ ہریانہ کے ضلع کرنال میں تھی۔

آپ کرنال میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام محمودہ بیگم تھا جو سہارن پور کے رئیس گوہر علی خاں کی صاحب زادی تھیں۔

اپنی تعلیم کرنال اور علی گڑھ میں مکمل کی پھر الٰہ آباد یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔ اس دوران ان کی شادی چچا زاد بہن جہانگیرہ بیگم سے ہوئی۔

۱۹۲۱ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایگریٹر کالج سے ایم اے کیا پھر اسی یونیورسٹی کے مدرسۂ قانون "انرٹمپل" سے بیرسٹری کی سند حاصل کی۔

۱۹۲۲ء کے آخر میں وطن واپس آئے۔ واپسی پر کرنال کی بجائے مظفر نگر میں رہنے لگے۔

۱۹۲۳ء میں مسلم لیگ کے رکن بنے۔

۱۹۲۶ء میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخابات میں یوپی سے کامیاب ہوئے۔

۱۹۲۶ء ہی میں ڈیموکریٹک پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۴۰ء تک باقاعدگی سے صوبائی مجلس کے رکن منتخب ہوتے رہے۔ اس دوران آپ یوپی اسمبلی کے ڈپٹی لیڈر بھی رہے۔

۱۹۳۳ء کے شروع میں بیگم رعنا سے دوسری شادی کی۔

۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو قائد اعظم نے تین سال کے لئے مسلم لیگ کا اعزازی جنرل سیکرٹری نامزد کیا۔

۱۹۴۰ء میں بریلی (یوپی) میں مرکزی اسمبلی کی نشست کے لئے مسلم لیگ طرف سے بلا مقابلہ رکن منتخب ہوئے اور مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی کے ڈپٹی لیڈر بنے۔ ۱۹۴۵ء میں قائد اعظم نے لیاقت علی خان کی خدمات کا اس طرح اعتراف کیا کہ "گاندھی کے پاس بہت سے لوگ ہیں جو ان کو مشورہ دے سکتے ہیں اور جن پر گاندھی بھروسہ کر سکتے ہیں لیکن میرے پاس صرف ایک لیاقت ہے۔"

"نومبر ۱۹۴۵ء کا ضلع مظفر نگر سے ضمنی انتخاب ایک سخت مقابلے کے بعد جیت کر مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ ان کے مقابلے میں کانگریس نے محمد احمد کاظمی کو کھڑا کیا تھا۔ آپ نے اپنے حریف کو تین ہزار ووٹوں سے ہرایا۔

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو مسلمانوں نے راست اقدام کا دن منایا جس میں نواب زادہ نے بھی اپنا خطاب انگریزی حکومت کو واپس کر دیا۔

۲۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء کی عارضی حکومت میں مسلم لیگ کی طرف سے لیاقت علی وزیر خزانہ بنے۔ آزادی سے پہلے ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء کو وزیر خزانہ کی حیثیت سے انہوں نے عبوری بجٹ پیش کیا۔ یہ بجٹ غریب آدمی کا بجٹ کہلایا۔

۷ اگست ۱۹۴۷ء کو ماری پور کے ہوائی اڈے پر سب سے پہلے آپ نے قائد اعظم کا استقبال کیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی آپ نے ملک کے پہلے وزیر اعظم اور وزیر دفاع کا حلف اٹھایا۔

اکتوبر ۱۹۵۰ء میں پاکستان مسلم لیگ قائم ہوئی اور تنظیم نو کی گئی تو آپ مسلم لیگ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔

آپ نے جولائی ۱۹۵۱ء میں لاہور میں اس وقت یادگار تقریر کی جب بھارت نے اپنی فوجیں پاکستانی سرحد پر جمع کر دی تھیں۔

تقریر کے آخر میں آپ نے ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔

"بھائیو! یہ پانچ انگلیاں جب علیحدہ علیحدہ ہوں تو ان کی قوت کم ہوتی ہے لیکن جب یہ مل کر مُکّا بن جائیں تو یہ دشمن کا منھ توڑ سکتا ہے۔" آپ کا یہ مُکّا عرصۂ دراز تک قوم کے عزم و اتحاد کی علامت بنا رہا۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو سرکاری کام کے سلسلے میں راول پنڈی گئے جہاں ایک جلسۂ عام سے تقریر کرنے کے لئے ٹھیک چار بجے کمپنی باغ پہنچے ابھی ڈائس پر کھڑے ہو کر "برادرانِ ملّت" کے الفاظ ہی کہے تھے کہ سید اکبر نامی شخص نے آپ پر گولی چلا دی۔ گولی دل پر لگی اور وہیں انتقال کر گئے۔

ان کے آخری الفاظ یہ تھے۔ "اللہ پاکستان کی حفاظت کرے۔"

آپ کی دیانت داری کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب آپ کا انتقال ہوا تو آپ کے پاس نہ اپنا ذاتی گھر تھا، نہ جائیداد اور نہ کوئی بڑی دولت اپنے بیوی بچوں کے لئے چھوڑی۔

کچھ باتیں امی ابّو کے لئے

○ ..... بچوں کو بری عادتوں کے نتائج سے واقف کرائیے۔

○ ..... بچوں کی غلط خوشامد کر کے ان کو مغرور نہ بنائیے۔

○ ..... بچوں کے سامنے آپس میں ناراض ہو کر بات نہ کیجئے۔

○ ..... جس بچے کو سچ بولنا سکھایا جاتا ہے، وہ انصاف کرنا سیکھتا ہے۔

○ ..... جس بچے کی ہر وقت حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اس میں اعتماد بڑھتا ہے!

○ ..... جس بچے کو صبر کرنا سکھایا جاتا ہے، وہ برداشت کی قوت سیکھتا ہے۔

ہمت کی بات

آسٹریلیا کے شہر ملبورن میں ایک عجیب عورت رہتی ہے۔ بچپن میں اس کے دونوں ہاتھ فالج سے بیکار ہو گئے لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ اس نے منہ سے قلم پکڑ کر لکھنے کی مشق شروع کر دی یہاں تک کہ ایف اے کا امتحان پاس کر لیا۔ آج اس کی عمر تیس سال ہو چکی ہے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ خوش گوار زندگی گزار رہی ہے اور اب بھی وہ منہ سے قلم پکڑ کر روانی سے لکھتی ہے۔ ہیں ناں جذبے اور ہمت کی بات!

غلام عباس طاہر، جھنگ

بھائی میں آرہا ہوں

عمر احمد خان

یہ تحریر ریاست بوسنیا ہرزیگوینا میں ہونے والی سربیائی جارحیت کے پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ بوسنیا میں بڑوں کے ...... ساتھ ساتھ بچوں کے حقوق بھی پامال کئے جا رہے ہیں۔

"دیکھو تم ابھی بالکل بچے ہو۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ نہیں کر سکتے اس لئے اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرو گے"۔ اٹھارہ سالہ "سلجوک" نے اپنے چھوٹے بھائی "مسلم" کو سمجھاتے ہوئے کہا جو تقریباً بارہ تیرہ سال کی عمر کا بچہ تھا وہ سر جھکائے بھائی کی باتیں غور سے سن رہا تھا "میں عمارت کے پیچھے سے گھوم کر جاؤں گا۔ امدادی ہوائی جہاز نے باہر میدان میں خوراک کے کچھ ڈبے گرائے ہیں لیکن وہاں سربیائی فوجی کھڑے ہیں۔ جیسے ہی وہ ادھر اُدھر ہوں گے میں کچھ ڈبے اٹھانے کی کوشش کروں گا۔ تم اسی ٹوٹی ہوئی عمارت میں چھپے رہنا۔ جب تک میں واپس نہ آؤں۔ یہاں سے باہر نہ نکلنا۔ سربیائی فوجی، کتوں کی طرح

گھومتے پھر رہے ہیں۔ غالباً انہیں شک ہو گیا ہے کہ کوئی خوراک کی تلاش میں ادھر آیا ہے" سلجوک ایک لمحے کو خاموش ہوا پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا پستول مسلم کو پکڑاتے ہوئے کہا "اسے اپنے پاس رکھو۔ شاید تمہیں اس کی ضرورت پڑے!!!"

مسلم کو پستول چلانا آتا تھا۔ اس کو پستول چلانا دادا نے سکھایا تھا۔

"لیکن بھائی! اس کی ضرورت تو شاید آپکو پڑے۔ سربیائی فوج سے مد بھیڑ کی صورت میں آپ اسے کم از کم استعمال تو کر سکتے ہیں"۔ مسلم نے بھائی سے کہا۔

"یہ چھوٹا سا پستول ہے۔ زیادہ سے زیادہ دو تین فوجیوں کو ٹھکانے لگا سکتا ہے اور اس میں گولیاں بھی صرف تین ہیں جب کہ باہر تقریباً دو درجن کے قریب سربیائی فوجی موجود ہیں"۔ سلجوک نے مسلم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ "زغرب" کے پناہ گزین کیمپ سے تقریباً دس کلو میٹر دور شمالی حصے میں تھے جہاں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو، اب سربیائی فوجوں کی وحشیانہ بمباری سے تباہ ہو چکا تھا۔ اس قصبے کے خوبصورت مکانات جو پہلے کبھی اپنی خوبصورتی کا نمونہ تھے اب کھنڈر کا منظر پیش کر رہے تھے اور ایک ایسے ہی کھنڈر مکان کے اندر سلجوک نے اپنے بارہ سالہ بھائی مسلم کو اپنا چھوٹا سا پستول پکڑانے کے بعد ہدایت کی کہ وہ اسی مکان میں چھپا رہے اور اس کے پیچھے نہ آئے کیوں کہ باہر سربیائی فوجوں کا ایک ٹرک کھڑا تھا جس میں دو درجن کے قریب فوجی بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

سلجوک بموں سے تباہ ہونے والے ٹوٹے پھوٹے مکانوں کے پیچھے سے چھپتا چھپاتا سخت سردی سے کپکپاتا ہوا میدانی حصے کی طرف جانے لگا جہاں اس کی اطلاع کے مطابق امدادی ہوائی جہاز نے خوراک کے ڈبے گرائے تھے۔ یہ ڈبے ہوائی جہاز کو پناہ گزین کیمپ پر گرانے تھے جہاں سخت سردی اور بھوک کے شکار عورتیں اور بچے پناہ لئے ہوئے تھے لیکن ہوائی جہاز غلطی سے خوراک ڈبے اور گرم کپڑے کیمپ پر گرانے کے بجائے دس کلو میٹر اس علاقے پر گرا گیا تھا جسے حال ہی میں سربیائی فوجوں نے تباہی و بربادی کا نشانہ بنا دیا تھا۔

سلجوک کو جو اطلاعات ملی تھیں انکے مطابق سربیائی فوجوں نے اس قصبے کو فتح کرنے کے بعد یہاں قتل و غارت گری کا وہ بازار گرم کیا تھا کہ اگر کھوپڑیوں کے مینار تیار کرانے والا چنگیز خان بھی زندہ ہوتا تو وہ منظر دیکھ کر اس کا سر شرم سے جھک جاتا۔ بچوں اور بڑوں کو سربیائی فوجوں نے شراب چھڑک کر شہید کیا تھا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی تھی اور ننھے بچوں کو عیسائی بنانے کے لئے قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ جو مسلمان بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے وہ اس "زغرب" کے پناہ گزین کیمپ میں بے سرو سامانی کی حالت میں بھوک اور سردی سے مر رہے تھے۔

سلجوک کی چھوٹی دو بہنوں نے بھوک اور سردی کا شکار ہو کر خود اس کے ہاتھوں میں دم توڑا تھا۔

آج جب اسے اطلاع ملی کہ امدادی جہاز خوراک اور کمبل غلط مقام پر گرا گئے ہیں تو وہ خود اپنے چھوٹے بھائی مُسلم کو لے کر زغرب سے دس کلو میٹر اس قصبے میں پہنچ گیا تھا جہاں سربیائی فوجیوں نے کچھ وقت کے لئے اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ کیمپ کے باقی نوجوان سربیائی فوجیوں کے ظلم کی وجہ سے اس کے ساتھ آنے پر راضی نہ ہوئے تھے۔

سلجوک بچتا بچاتا میدان میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں خوراک کے ڈبّے اور گرم کمبل گرے پڑے نظر آ رہے تھے اور پھر اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہاں سربیائی فوجی بھی نہیں تھے حالاں کہ کچھ دیر پہلے ہی ان کا ایک ٹرک میدان کے قریب کھڑا تھا۔ شاید وہ قصبے کے ٹوٹے پھوٹے مکانوں کا راؤنڈ لینے گئے ہیں تاکہ کوئی کمزور اور نہتا مسلمان نظر آئے تو اسے اپنی شیطانی کاروائی کا نشانہ بنا سکیں"

سلجوک نے سوچا پھر وہ بڑی تیزی کے ساتھ کھلے میدان میں پہنچ گیا۔ ابھی اس نے خوراک کے دو تین ڈبے ہی سمیٹے تھے کہ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ ہلکی اسٹین گن سے فائر کئے گئے تھے سلجوک کراہتا ہوا نیچے زمین پر گر پڑا۔ گولیوں نے اس کی ٹانگ کے نچلے حصے کا قیمہ کر دیا تھا۔ خوراک کے ڈبّے اس کے ہاتھ سے بکھر گئے تھے۔

جرمانہ

امریکہ کی انٹرنل ریونیو سروس نے جارج وٹ میسر نامی شخص کو گوشوارے کے مطابق ٹیکس ادا نہ کرنے کی پاداش میں ۱۴۰ ڈالر جرمانہ کیا۔ دراصل اس نے گوشوارے سے فقط ایک پنی (سکہ) کم جمع کرائی تھی۔

مرسلہ:۔ محمد یوسف انجم، بوریوالہ،

وہ تکلیف سے کراہتا ہوا گھسیٹ گھسیٹ کر خوراک کے ڈبّوں کی طرف ہاتھ بڑھانے لگا۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ گولیاں کس نے چلائی ہیں۔

اسی وقت سلجوک کو کچھ عورتوں اور بچّوں کی چیخوں کی آوازیں سنائی دیں جو بہت دور سے آ رہی تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ قصبے کے شمال میں بہت دور وہ فوجی ٹرک کھڑا تھا جو کچھ دیر پہلے یہاں تھا۔ سلجوک کو ٹوٹے ہوئے مکانوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوئے بھی نظر آئے۔ سربیائی درندوں کو یقیناً وہاں کچھ کمزور اور نہتے مسلمان مل گئے تھے اور وہ انہیں اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔

سلجوک ابھی گردن اٹھا کر اس طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ تین سربیائی فوجی خوفناک قہقہے لگاتے ہوئے اپنی اسٹین گنیں ایک طرف پھینک کر اس پر جھپٹ پڑے۔ ایک نے اپنی جیب سے شراب کی بوتل نکالی۔ کچھ شراب پی۔ باقی شراب سلجوک کے جسم

پر انڈیل دی۔ "ہمارے ساتھی واپس آجائیں تو پھر ہم اسے آگ لگا کر ثواب حاصل کریں گے۔"

ایک سربیائی فوجی نے زخمی سلبوک کو فوجی بوٹ سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

پھر وہ تینوں، وحشیوں کی طرح سلبوک کے گرد دائرے کی شکل میں اسے ٹھوکریں مارتے ہوئے ناچنے لگے۔ ان کی ہر ٹھوکر پر سلبوک کے منہ سے کراہیں نکل رہی تھیں۔

پھر اچانک ہی فوجیوں کی منہ سے کراہیں نکلیں۔ سلبوک نے یکے بعد دیگرے تین فائروں کی آواز سنی۔ تینوں فوجیوں کو ایک ایک گولی کھانے کو ملی تھی اور وہ موٹے تازے وحشی فوجی صرف ایک ایک گولی کھا کر ہی تکلیف سے چلاتے ہوئے ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔ "لیکن انہیں مارا کس نے ہے؟" سلبوک نے زخموں کی تکلیف سے کراہتے ہوئے سوچا پھر اس نے گردن اٹھا کر سوتی جاگتی آنکھوں سے دیکھا۔ اس کا چھوٹا بھائی مسلم جسے اس نے مکان میں چھپنے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ "تم ابھی بچے ہو۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ نہیں کر سکتے" وہ دونوں ہاتھوں سے اس کا پستول کسی منجھے ہوئے "کمانڈو" کی طرح مضبوطی سے تھامے تین گولیاں برسانے کے بعد چاروں طرف دیکھتا ہوا اور چلاتا ہوا بھائی کی طرف دوڑا چلا آرہا تھا "بھائی میں آرہا ہوں"۔

خواہ مخواہ کی بحث کبھی اچھی نہیں ہوتی۔

منیلا میں "انڈہ پہلے کہ مرغی" کی بحث ہو رہی تھی۔ بحث میں گرمی پیدا ہوئی اور "پہلے مرغی" والوں نے بد کلامی اور فحش کلمات کہنے شروع کر دیئے تو "انڈہ پہلے" والوں کو تاؤ آگیا انہوں نے فائرنگ سے ۴۰ افراد ہلاک کر دیئے۔

مرسلہ:۔ محمد یوسف انجم، بوریوالہ،

دلچسپ و عجیب

یہ ۱۹۷۴ء کا واقعہ ہے کہ ایک جہاز، انگلینڈ سے نیوزی لینڈ کے لئے روانہ ہوا۔ اچانک اس کے پیندے میں سوراخ ہو گیا۔ جہاز کے ڈوبنے کے آثار پیدا ہو گئے۔ پھر خود ہی یکایک جہاز میں پانی بھرنے کی رفتار کم ہو گئی اور رفتہ رفتہ پانی بھرنا بالکل ختم ہو گیا۔ ایک ماہ بعد یہ معلوم ہوا کہ ایک بڑی مچھلی اس سوراخ میں پھنس گئی تھی جس سے جہاز میں پانی آرہا تھا اور یوں جہاز غرق ہونے سے بچ گیا تھا۔

مرسلہ:۔ محمد اعجاز، شکر درہ، اٹک

طویل بے ہوشی

برطانیہ کی ایک خاتون سوسن گرینڈ ٹریفک کے ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گئی جس کی وجہ سے اسے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا لیکن یہ خاتون ۵۹۴ دن تک بے ہوش رہی اور بالآخر اس کا انتقال ہو گیا۔

پہن کے انکل سام کا سوٹ ——— ٹامی سے میں بن گیا ٹام

عکس اَدھورے کیجئے پورے

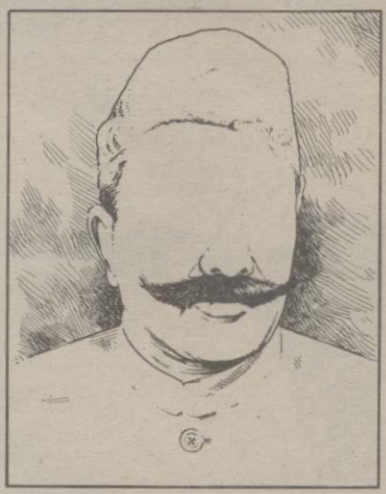

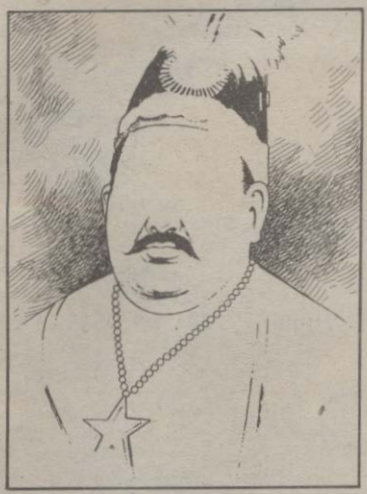

اس مقابلے میں ہم ہر ماہ کسی ایک ہی شعبے سے تعلق رکھنے والی، دنیا کی دو معروف شخصیات کے ادھورے خاکے شائع کرتے ہیں۔ آپ کو اِن شخصیات کو پہچاننا ہے اور ان کی وجہ شہرت بتانا ہے۔ آپ کی معلومات میں اضافے کے لئے آئندہ ماہ ہم صحیح جوابات کے ساتھ ان لوگوں کے مختصر حالاتِ زندگی بھی شائع کرینگے۔

بالکل صحیح جواب دینے والے ساتھی کو ایک سال کے لئے ماہنامہ آنکھ مچولی مفت ارسال کیا جائے گا۔ ایک سے زیادہ درست جواب ہونے کی صورت میں فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کیا جائے گا۔ مقابلے میں شرکت کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

- جوابات الگ کاغذ پر، صاف صاف لکھے ہوں۔
- ہر ماہ کی دس تاریخ تک ادارہ کو ہو صول ہو جائیں۔
- جوابات کے ساتھ بھیجنے والے کا مکمل پتا ضرور ہو۔

ان تین شرطوں میں سے کسی ایک بھی شرط کے پورا نہ ہونے پر جوابات کو مقابلے سے خارج کر دیا جائے گا۔

پتہ: انچارج انعامی مقابلہ۔ عکس ادھورے کیجئے پورے
ماہنامہ آنکھ مچولی، ۱۔ پی آئی بی کالونی، کراچی۔ ۷۴۸۰۰

گزشتہ ماہ کے درست جوابات

لانس نائیک محمد محفوظ شہید
وجۂ شہرت ___ نشان حیدر

کیپٹن محمد سرور شہید
وجۂ شہرت نشان حیدر

آپ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو پنڈ ملکاں (اب محفوظ آباد) ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو پاکستان کی بّری فوج میں شمولیت اختیار کی۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ شروع ہوئی تو محمد محفوظ پنجاب رجمنٹ کی کمپنی اے سے وابستہ تھے۔ یہ کمپنی واہگہ اٹاری سیکٹر پر متعین تھی۔ ۱۷ اور ۱۸ دسمبر کی درمیانی رات کو ان کی کمپنی کو پل کنجری نامی گاؤں پر قبضہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس حملے میں لانس نائیک محمد محفوظ کی پلاٹون نمبر ۳ ہراوّل دستے کے طور پر سب سے آگے تھے۔ انہیں دشمن کے خود کار ہتھیاروں کی مسلسل فائرنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ جب یہ لوگ دشمن کے مورچوں کے بالکل قریب پہنچے تو محمد محفوظ کی مشین گن دشمن کے گولے سے تباہ ہو گئی۔ آپ نے ایک شہید ساتھی کی ہلکی مشین گن اٹھا کر دشمن کے طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ دشمن کی طرف سے برسنے والی گولیوں نے آپ کی ٹانگوں کو بے کار کر دیا۔ مگر آپ خود کو گھسیٹتے ہوئے عین دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور شیر بن کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کی ایک گولی لگنے سے ایک بار پھر مشین گن آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ آپ نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اپنے ہاتھوں سے دشمن کے ایک سپاہی کا گلا دبا دیا۔ دوسرے سپاہی نے سنگینیں مار مار کر آپ کو شہید کر دیا۔ شہید محمد محفوظ کی بہادری کی تعریف ان کے حریف کمانڈر نے بھی کی۔

۱۹۱۰ء میں راولپنڈی کے گاؤں سنگھوری میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۵ء میں پنجاب رجمنٹ میں کمیشن لیا۔ کشمیر کی لڑائی میں بٹالین کی سربراہی سونپی گئی، ۲۷ جولائی ۱۹۴۸ء کو آپ کی بٹالین دشمن کی پوزیشن سے بچاس گز کے فاصلے پر اوڑی سیکٹر کے مقام پر تعینات تھی کہ دشمن نے زبردست فائرنگ شروع کر دی۔ جس سے بڑا نقصان ہوا اور پیش قدمی رک گئی۔

آپ بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بٹالین کو بنکروں سے ۲۰ گز سے کم فاصلے تک لے گئے۔ یہاں خاردار تاروں کی باڑ تھی۔ مگر ان رکاوٹوں کی پروا نہ کرتے ہوئے آپ نے دشمن کی مشین گنوں کو دستی بموں کی بوچھاڑ سے خاموش کر دیا۔ اس دوران آپ کا بازو بڑی طرح زخمی ہوا۔ مگر آپ پریشان نہ ہوئے بلکہ ایک شہید فوجی کی برین گن اٹھائی اور دشمن کی فوج پر گولیاں برسانے لگے۔ آپ چھ جوانوں کو ساتھ لے کر خاردار تاروں کو کاٹنے کے لئے آگے بڑھ رہے تھے کہ مخالف سمت سے فائر کی گئی گولیوں کی بوچھاڑ آپ کا سینہ چھلنی کر گئی اور آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب :-

محمد عثمان شیخ، نواب شاہ۔

درست جواب دینے والے ساتھی۔

حمیرا اختر، عمارہ اختر، خوشاب۔ احمر فرقان، اشعر فواد، ملتان۔ محمد نبیل احمد، کراچی۔ اقبال حسین نواز، پشاور۔ شیر نواز گل، پشاور۔ سید راحت حسین نقوی، کراچی۔ عشرت علی، ساہیوال۔ سارہ عارف، کراچی۔ نادیہ اکرم، راولپنڈی۔ سید یحییٰ حسینی، کراچی۔ عرفان احمد شیخ، عثمان احمد شیخ، اسلام آباد۔ سیدہ تانیہ غضنفر، سید زوہیب حسین، سید وقاص علی، رلوپنڈی۔ محمد جمیل، حیدر آباد۔ سید فراز علی، سید عظمیٰ غضنفر، راولپنڈی۔ منصور احمد سومرو، گڈو۔ زرین لیٰسین، کراچی۔ وحید اختر، اٹک۔ مسرت جہاں، اسلام آباد۔ حماد اکرم، لاہور۔ راشد منہاس ثاقب، قصور۔ فواز سجاد، کراچی۔ محمد عاشق حسین نیاز، تلہ گنگ۔ عمر سلمان، رساپور۔ عرفان حیدر بخاری، صادق آباد۔ سردار خان، اٹک۔ محمد وقاص سہیل، کراچی۔ سعدیہ مقبول، صہیب عبداللہ، تلہ گنگ۔ زبیر احمد سومرو، گڈو۔ فرید احمد، پشاور۔ نائلہ بختیار، کوہاٹ۔ حمیرا اشرف، لاہور۔ عدیل احمد جلیل، حیدر آباد۔ رانا ریحان احمد خان، ساہیوال۔ شازیہ عزیز، کراچی۔ منصور احمد، ٹیکسلا۔ نعمان محمد کاشمیری، سوہدرہ۔ شہلا یاسمین، واہ کینٹ۔ سید بلال حسنی، لاہور۔ سید عثمان حسنی، لاہور۔ ضیغم عباس جسکانی، حیدر آباد۔ خالد، کراچی۔ محمد اشرف، کراچی۔ فائزہ اعظم، گجرات۔ طارق ظفر، فیصل آباد۔ فرحان الدین، راولپنڈی۔ یاسر آفاق، لاہور۔ سیما عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ ممتاز الدین احمد، کراچی۔ محمد خان، کراچی۔ سیما ابراہیم صدیقی، کراچی۔ آمنہ بنت وسیم، طلحہ بن وسیم، کراچی۔ احسان الٰہی، کالوکلاں۔ عدنان فراز بھٹی، کراچی۔ ارم رؤف، رلوپنڈی۔ ہمایوں اکرم، فیصل آباد۔ محمد عثمان اکبر، پشاور۔ قیصر اقبال ربانی، کراچی۔ نثار احمد ہاشمی، کراچی۔ عثمان عظیم، کراچی۔ محمد سکندر نعیم، کراچی۔ تحسین ریاض، سرگودھا، تسلیم عارف، کراچی۔ راجہ عمران یوسف، راولپنڈی۔ ببین اقبال، لاہور۔ ملک علی احمد، لاہور۔ محمد ریحان، اسلام آباد۔ راحیلہ طلعت، انصاری، سکھر۔ محمد عنصر جاوید، کراچی۔ سعدیہ جہاں، کراچی۔ ظہیر اقبال نارو، عمر اقبال نارو، سارہ اقبال، عمارہ اقبال، ملتان۔ شازیہ عندلیب اعوان، کراچی۔ طیب شاہ، کراچی۔ اظہر رحمان، کراچی۔ عاطف حسن صدیقی، کراچی۔ صائمہ کلیم، کراچی۔ نشاط رینہ، ملتان۔ جاوید فیروز، لاہور۔ محمد زبیر تابانی، کراچی۔ عدیل رضا علوی، تلہ گنگ۔ نعمان زاہد کراچی۔ سلمان مراد، کراچی۔ فاطمہ شاہین، لاہور۔ فوزیہ ناز، کراچی۔ سیدہ در شہوار فاطمہ زیدی، نواب شاہ۔ محمد عمر، کراچی۔ ذوالفقار علی میمن ٹھٹھہ۔ محمد قاسم میمن، ٹھٹھہ۔ ممتاز علی سورج میمن، ٹھٹھہ۔ سیدہ حنا بخاری، کراچی۔ قرۃ العین، پشاور۔ شاہد پرویز رانا، خوشاب۔ رخشندہ ریاض لاہور۔ فرید ساجد مغل، بھکر۔ عبدالحفیظ شاہد، مخدوم پور۔ زبیر احمد خان، کراچی۔ محمد مدثر احمد صدیقی، کشمور۔ رانا محمد سعید، سمندری۔ ذوالفقار احمد قریشی، لاہور۔ عمار وحید سلیمانی، لاہور۔ کشور رحمان، کراچی۔ سعدیہ کنول، حیدر آباد۔ سعدیہ عثمانی، راولپنڈی۔ محمد عظیم انجم ، بی ۔ محمد کلیم ولی، ٹنڈو آدم۔ رضوان احمد خان، کراچی۔ ایم ایم میمن، سکھر۔ نعمان غوری، کراچی۔ امتیاز جلیل، کراچی۔ مستری اے ڈی رضا، ڈونگہ بونگہ۔ جعفر مسعود، واہ کینٹ۔ محمد ظفر اللہ ضیا، ساجدہ پروین، فیصل عمران ڈوگر، شہزاد محمد، کملیہ، ماریہ محمود فیضی، راولپنڈی۔ غلام نبی منصوری، سانگھڑ، طارق علی یوسفی، حیدر آباد۔ فہمینہ برڑو، ٹھٹھہ۔

اس کے علاوہ ہزاروں ایسے خطوط جن میں ایک جواب غلط تھا، یہ پتہ لکھا ہوا نہیں تھا، یا مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہوئے، شامل اشاعت نہیں کئے گئے۔ قارئین سے گذارش ہے کہ مندرجہ بالا وجوہ پر توجہ دیں تاکہ ان کے خطوط اور نام مقابلے میں شامل ہو سکیں۔

آپ کو تتلی کا انتظار تھا!

ننھے بچّو! تتلی کے حسین رنگوں کو سمیٹ کر "تتلی" شائع ہوگیا۔ اس خوبصورت کتابی سلسلے میں آپ کیلئے

- مزیدار کہانیاں
- دلکش نظمیں
- بُھول بھلیّاں
- چٹ پٹے لطیفے
- چُلبلے کارٹون
- معلوماتی انٹرویو
- رنگا رنگ تصویریں

تتلی کے تین خوب صورت شمارے

پیارا پاکستان — ببلو گببلو — جنگل میں منگل

پاکستان کے تمام بڑے بُک اسٹالوں پر دستیاب ہے

منگوانے کا پتہ: ... کالونی کراچی ۷۴۸۰۰ — قیمت ۱۰ روپے

ڈرامہ برائے ویڈیو گیمز

مجیب ظفر انوار

گرمیوں کی چھٹیاں ویڈیو گیمز اور انڈین فلموں کی "نذر" ہوتی جا رہی تھیں۔ سوچا اسکول کھل گیا تو میڈم اور ٹیچرز کو کیا منہ دکھائیں گے؟ یقیناً منہ کی کھائیں گے۔ یہ سوچ کر فوراً گھر کے اور محلے کے سدا کے "ویلے" بچوں کو جوڑا اور ایک کارنر میٹنگ کی۔ تقریر بڑی زور دار تھی (کیونکہ کشمیری سیب کھا کر شروع کی تھی اور سیب بھی "آزاد" تھے کیونکہ آزاد کشمیر کے تھے)۔ دورانِ تقریر برابر آوازیں آتی رہیں "گو چاچا گو...... گو بابا گو" ہم نے کہا "چپ کر کے سنو ورنہ توڑ دوں

گا!"

"کیا توڑ دیں گے؟" گڈو نے نیکر اوپر کر کے پوچھا۔

"سر تمہارا!" ہم دہاڑے۔

"اچھا..... میں سمجھا اسمبلی، ویسے ڈاکٹر صاحب جس کا کام اسی کو ساجھے ..... آپ اسمبلی پر اپنے مزدور مت لگوائیں!" خیر بعد تقریر طے پایا کہ ریاض صاحب کے گھر کا گیراج کافی عرصے سے خالی پڑا ہے۔ لہٰذا انکل کے خالی گیراج میں بچوں کا اسٹیج ڈراما منعقد کیا جائے جس کا ہرجانہ..... معاف کیجئے گا..... جس کا ٹکٹ صرف ایک روپیہ رکھا جائے۔ وی۔ آئی۔ پی صف میں دری اور چاندنی کا بھی انتظام کیا جائے اور وہاں محلے کے ان محترم والدین (جنہوں نے ہمیں مار کی بجائے کوئی ڈھنگ کی چیز کھلائی ہو) کو بٹھایا جائے۔ وی۔ وی۔ آئی۔ پی۔ صف میں برف کا پانی اور گلاس رکھے جائیں۔ ریاض انکل سے مشورہ کیا تو وہ اس ڈرامے کو اپنی کار کے لئے "بینیفٹ شو" سمجھے اور اجازت دے دی۔ یوں یہ ڈراما بغیر کسی اسکرپٹ کے جمعرات کی شام پانچ بج کر پانچ منٹ، پانچ سیکنڈ اور پانچ مائیکرو سیکنڈ پر شروع ہو گیا (ہم نے اسٹاپ واچ میں وقت دیکھا تھا نا)

ڈرامے کے مرکزی کردار بھی ہم ہی تھے اس لئے ہم ڈاکٹر بن کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر بننے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے؟ کھڑکی کے آگے لائن لگانی پڑتی ہے بس۔ دائیں طرف کے دروازے سے منی اسٹیج پر نمودار ہوئی۔

منی: ہیلو ڈاکٹر صاحب۔

ہم: وعلیکم ہیلو..... آپ کو اتنی تمیز بھی نہیں ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو سلام کیا جاتا ہے۔

منی: سلام کیوں کروں؟ آپ تو ڈاکٹر ہیں۔ سوئی لگاتے ہیں۔ بچوں کے جانی اور ان کے والدین کے مالی دشمن ہیں۔

ہم: اچھا اچھا کیا شکایت ہے؟

منی: ڈاک صاحب..... میری طبیعت مالش کر رہی ہے۔

ہم: اوہو پھر تو مزے ہیں، مفت میں مالش ہو رہی ہے۔

منی: واہ اس کا تو مجھے خیال ہی نہیں آیا۔ شکریہ ڈاک صاحب (اٹھ کر جانے لگتی ہے)

ہم: ارے کہاں چلیں؟ ہمارے مشورے کی فیس تو لائیے۔

منی: وہ تو آپ کے کمپونڈر نے پہلے ہی رکھ لی ہے۔

(منی سلام کر کے چلی جاتی ہے۔ ذرا دیر بعد ننھے میاں تشریف لاتے ہیں)

ہم: جی ننھے خان..... کیسے مزاج ہیں؟

ننھا: (بگڑ کر) آپ نے ہمیں خان کیوں کہا ڈاک صاحب؟

ہم: کیوں بھئی کا تم اسکواش ہار گئے ہو؟

ننھا: جی نہیں ہم اسکوائش نہیں پیتے۔ ابو ہمیں گھسیٹے خان کی حلیم، بندو خان کے پراٹھا کباب

اور بھورے خان کی نہاری کھلایا کرتے ہیں۔ ہم تو خان نہیں ہیں۔

ہم: ! جی تو ہوا کیا ہے آپ کو؟

ننھا: جی میرے سر پر دانے ابھر آئے ہیں۔ امی کہہ رہی ہیں کہ میں نے رو رو کر سارا گھر سر پر اٹھا لیا ہے۔ کوئی ٹیوب دے دیں بغیر پیسوں والی۔

ہم: ننھے میاں...... ٹیوب کی کیا ضرورت ہے؟ دانے ابھر آئے ہیں۔ رو رو کر محلہ سر پر اٹھالو۔ محلے کے وزن سے دانے خود بخود دب جائیں گے۔

ننھا: (اٹھ کر جاتے ہوئے) ...... تھینک یو مگرمچھ!

ہم: ہش .... آئی ایم ڈاکٹر!

(حاضرین بجائے تالیاں پیٹنے کی سر پیٹ رہے تھے۔ اب چُنّی بیگم اسٹیج پر آتی ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی فقط تین سال کے معمر تشریف لاتے ہیں)

چُنّی بیگم: (کرسی پر بیٹھ کر) چھمالیکم سر۔

ہم: بھئی اس وقت ہم تمہارے استادِ معظم نہیں بلکہ فقط ایک ڈاکٹر ہیں۔

چُنّی بیگم: چھمالیکم فقط ایک ڈاکٹر صاحب۔

ہم: وعلیکم ...... مزاج کیسا ہے؟

چُنّی بیگم: جی میں تو بالکل ٹھیک ہوں البتہ گڈو کو ساتھ لائی ہوں۔

عنزہ میزائل

پاکستان نے دفاعی شعبے میں شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔اس کی واضح مثال عنزہ میزائل ہے جو ممتاز ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر عبد القدیر خان نے تیار کیا ہے۔اس میزائل کا نام حضرت زبیرؓ کے نیزے کے نام پر عنزہ رکھا گیا ہے۔ اس نیزے کو حضرت زبیرؓ نے جنگ بدر، احد اور خیبر میں استعمال کیا اور بعد میں حضورؐ نے بھی متعدد غزوات میں اس نیزے کا استعمال کیا۔ یہ میزائل ۵۰ سے ۵۰۰ میٹر تک مار کر سکتا ہے۔عنزہ کندھے پر رکھ کر چلایا جانیوالا میزائل ہے اور اس کے ۷۰ فیصد حصے ملک میں تیار کئے گئے ہیں۔ یہ میزائل راول پنڈی کی تحقیقی لیبارٹری میں تیار کئے گئے ہیں۔

مرسلہ:۔ عبد الحفیظ شاہد ...... مخدوم پور پہوڑاں

ایک منٹ کی بات

ایک منٹ میں انسان ۱۵۰ الفاظ بول سکتا ہے۔
ایک منٹ میں انسان ۱۶۰ الفاظ لکھ سکتا ہے۔
ایک منٹ میں انسان ۱۳۰ الفاظ پڑھ سکتا ہے۔
ایک منٹ میں انسان ۱۸ مرتبہ سانس لیتا ہے۔
ایک منٹ میں انسان کا دل ۷۲ مرتبہ دھڑکتا ہے۔
ایک منٹ میں ۴ ہزار ٹن غذا کھائی جاتی ہے۔
ایک منٹ میں ۱ لاکھ ۱۰ ہزار اخبارات فروخت ہوتے ہیں۔
ایک منٹ میں ۱۰۰ سے زیادہ اموات ہوتی ہیں۔

معاش ہے۔ سطح سمندر سے فقط ۳۵ انچ بلند ہے مگر اس کی شرارتیں ۳۵ فٹ بلند ہیں۔

(حاضرین میں سے ایک تالی کی آواز آتی ہے۔ ہم بڑے خوش ہوتے ہیں۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ کسی نے مچھر مارا تھا)

ہم: بیان جاری رکھو۔

چنی بیگم: کل امی نے اسے کہا کہ تمہاری چپلیں اتنی گندی ہو رہی ہیں۔ دھو کر صاف کر لو۔ اس نے جوتیاں دھو کر دھوپ میں سکھانے کے لئے رکھ دیں۔ وہ خشک ہو کر اتنی گرم ہو گئیں کہ ان کی گرمی سے پاپا کا پارہ آسمان پر پہنچ گیا۔

اور پھر گڈو کی بڑی پٹائی لگی ڈاک صاحب جی۔

ہم: پھر ہم کیا کریں؟

گڈو: کوئی مسلم (مرہم) دے دیں جی۔ ویسے یہ چنی آپا بھی کم نہیں ہیں۔ کل گانا گا رہی تھیں کہ لٹ سلجھی الجھا جا رے بالم.....

ہم: وگ اتار کر پانی میں ڈال دو جوئیں پڑ گئی ہیں۔

گڈو: جی!!!

ہم: ہم..... ہم..... ہمارا مطلب ہے چینی ملے پانی میں پیر ڈال دو۔

گڈو: امی کہتی ہیں چینی بہت مہنگی ہو گئی ہے اور تمہارے پیر اتنے بھی اچھے نہیں ہیں کہ ان پر چینی ضائع کی جائے۔

ہم: جب تمہاری امی کو تمہارے پیروں سے

○..... امین..... (سلیم سے) "میری بلی اپنا نام بھی بتاتی ہے۔"

سلیم..... (حیرت سے) "کیا نام ہے تمہاری بلی کا؟"

امین..... "میاؤں۔"

دلچسپی نہیں ہے تو ہمارے پاس کس لئے آئے ہو۔ چلو بھاگ جاؤ۔ (دونوں ڈر کر بھاگ جاتے ہیں)

ہم: (حاضرین سے مخاطب ہو کر) خواتین ..... چاہے یہاں سواتین بیٹھی ہوں اور حضرات چاہے مانند حشرات ہوں۔ .....

یہ خوبصورت ڈراما اس لئے پیش کیا گیا کہ ویڈیو گیمز کے لئے کچھ پیسے کم پڑ گئے تھے۔

اب جس کی جو حیثیت ہے اس کے مطابق وہ ہماری امداد کرے۔ کیونکہ یہ سب ہونہار بچے جنہوں نے اس ڈرامے میں کردار ادا کئے ویڈیو گیمز اور فلموں کے دل دادہ ہیں۔

ہماری دل دوز تقریر کے جواب میں سب پہلے ایک چیز آئی جسے "خراب ٹماٹر" کہا جاتا ہے۔

پھر دوسری چیز آئی جسے "پیاز" کہتے ہیں۔

پھر ایک سفید سی چیز آئی جو ہمارے چہرے پر پھٹ کر کے پھٹی جی ہاں! انڈا، گندا انڈا۔ پھر "آلو" نام کی ترکاریاں دھما دھم برسیں اور پھر اس سے پہلے کہ کچھ اور آتا، ہم نے توڑ دی..... اپنی بات بھئی..... (کبھی اسمبلی کے علاوہ بھی کچھ سوچ لیا کرو چندا۔)

الیکشن

عمارہ احمد

گھر کے اندر کرنی ہو گی ہم کو آج سلیکشن[1]
آیئے آپا بھیا مل کر ہم بھی کریں الیکشن

چھوٹے بھیّا جایئے جا کر ووٹنگ لسٹ بنایئے
چچا، پھپھو کے گھر سے کچھ ووٹر بھی بلوایئے
ابو جی کے پیپر لے کر اک اخبار بنایئے
کھٹے میٹھے جھوٹے سچے انٹرویو چھپوایئے

ایسے کاموں میں ہو جائے ہم کو کچھ پرفیکشنز[2]
آیئے آپا بھیا مل کر ہم بھی کریں الیکشن

لیجئے یہ اک ٹشو کا ڈبہ بیلٹ بکس بنا ہے
امی جی کا ہر دوپٹہ بینر بنا ہوا ہے
استصواب میں آپا جی اور بھیّا کھڑے ہوئے ہیں
دونوں کی تقریریں اور منشور مجھے لکھنا ہے

آخر ایسا کیا لکھوں کہ ہو نہ سکے آبجکشن[1]
آیئے آپا بھیا مل کر ہم بھی کریں الیکشن

آپا جی کا سائن لوٹا اور بھیا کا لاری
دونوں کی تحریکیں ہر دم زور و شور سے جاری
کتنوں کو بھیا ہیں پیارے کس کو آپا پیاری
اب معلوم یہ ہو جائے گا کس کا پلّا بھاری

بیلٹ پر واضح ہو گا اب ہر دل کا ریفلیکشن[2]
آیئے آپا بھیا مل کر ہم بھی کریں الیکشن

دیکھو دیکھو پیارے کزنو توڑ پھوڑ مت کرنا
کہیں اگر کچھ ٹوٹ گیا تو ہمیں پڑے گا بھرنا
چھوڑو اب یہ افراتفری کیوں کرتے ہو غصہ
ایک ہی گھر کے باسی ہم سب پھر کیا لڑنا مرنا

آؤ دیکھیں گھر سے کسے ہے کتنی بھلا افیکشن[3]
آیئے آپا بھیا مل کر ہم بھی الیکشن

---

[1] ۔ انتخاب ، [2] ۔ تکمیل ، [3] ۔ اعتراض ، [4] ۔ عکاسی ، [5] ۔ لگاؤ

کیلوری کیا ہے؟

نگہت آراچوہان

کیلوری توانائی اور حرارت ناپنے کا ایک طریقہ ہے۔ ایک کیلوری حرارت کی وہ مقدار ہے جو ایک گرام پانی کا ایک ڈگری سنٹی گریڈ تک درجۂ حرارت بڑھاتی ہے۔ جب ہم اس نظام کو خوراک کی توانائی پر منتقل کرتے ہیں تو ہم کلو گرام کیلوری استعمال کرتے ہیں۔ کلو گرام کیلوری ایک ہزار عام کیلوری کے برابر ہے۔

کیا کیلوری ہمیں موٹا کر دیتی ہیں؟ جو غذا آپ استعمال کرتے ہیں اسے ایک قسم کا ایندھن سمجھ لیجئے۔ جسم کے اندر خوراک کا ٹوٹنا پھوٹنا

آکسیڈیشن یا جلنے کا عمل پیدا کرتا ہے اور کیونکہ ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم کتنا ایندھن استعمال کرتے ہیں اور ہمارے جسم کو کتنے ایندھن کی ضرورت ہے اس کے لئے ہم کیلوری کی پیمائش اختیار کرتے ہیں۔

زندگی برقرار رکھنے کے لئے ہر شخص کو کیلوری کی مختلف مقدار درکار ہوتی ہے تاہم اس کے لئے عام اصول اور ضروریات متعین کی جاسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک اوسط بالغ شخص کو روزانہ دو سے تین ہزار کیلوریز درکار ہوتی ہیں لیکن اگر آپ ایک فیکٹری ورکر ہیں اور اپنے کام میں زیادہ محنت کرتے ہیں تو آپ کو تین ہزار چار سو کیلوری کی ضرورت پڑے گی اور ایتھلیٹس اور کھلاڑیوں وغیرہ کو چار ہزار کیلوریز کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں کو بڑوں سے زیادہ کیلوریز چاہئے ہوتی ہیں۔ بوڑھوں کو کم مقدار درکار ہوتی ہے کیونکہ وہ اتنی آسانی سے ایندھن نہیں جلا سکتے جیسے جوان آدمی۔ باہر کا کام کرنے والوں کو اندر کمروں میں بیٹھ کر کام کرنے والوں سے زیادہ کیلوریز درکار ہوتی ہیں۔

اگر آپ اپنی روزانہ کی مقدار سے زیادہ کیلوریز لے لیں تو کیا ہوگا؟ وہ ایندھن جو کیلوریز میں تبدیل ہوتا ہے۔ چربی بن کر ذخیرہ ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ لوگ کیلوری کے متعلق فکرمند رہتے ہیں۔ اگر آپ کیلوریز کم کرنا چاہتے ہیں تو چینی، چربی اور نشاستہ والی غذائیں استعمال نہ کریں۔

مختلف قسم کی غذا میں کیلوریز کی مختلف مقدار ہوتی ہے مثال کے طور پر ایک گرام پروٹین میں چار کیلوری ہوتی ہیں لیکن ایک گرام چربی میں نو کیلوریز ہوتی ہیں۔ آئیے مختلف غذاؤں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ایک روٹی	۳۰ گرام
۷۶	کیلوری
انڈا	۵۰ گرام
۷۵	کیلوری
کیلا	۱۰۰ گرام
۹۶	کیلوری
اخروٹ	۱۵ گرام
۱۰۰	کیلوری
مچھلی	۱۰۰ گرام
۱۷۷	کیلوری
گائے کا گوشت	۱۰۰ گرام
۳۶۹	کیلوری
دودھ	۲۰۰ گرام
۱۳۸	کیلوری
پنیر	۲۰ گرام
۸۹	کیلوری

مرغی ۱۰۰ گرام ۲۶۹ کیلوری

سبزیاں ۱۰۰ گرام ۸۹ کیلوری

دو پرانی کہانیاں

شان الحق حقی

بعض اوقات سیدھے سادے لوگ دوسروں کے بہکائے میں آجاتے ہیں۔ عام طور پر آدمی کوئی بات سُنتا ہے تو پہلے اسے سچ ہی مانتا ہے جب تک کہ وہ جھوٹی ثابت نہ ہو جائے۔ کبھی کبھی چالاک لوگ شریف آدمی کی اس عادت سے ناجائز فائدہ بھی اُٹھاتے ہیں۔ اسے بہکا کر اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ اسی لئے بعض پروپیگنڈے باز لوگوں کا کہنا ہے کہ جھوٹ بار بار بولا جائے تو سچ مان لیا جاتا ہے۔ جتنا دھڑلے سے بولا جائے اتنا ہی کامیاب رہتا ہے۔ جتنا سفید ہو اتنا ہی لوگ زیادہ دھوکا کھاتے ہیں۔ پرانے زمانے کی کہانی جو ہم آپ کو سُنا رہے ہیں اس کی ایک مثال ہے۔

ایک سیدھا سادا دیہاتی کہیں سے ایک بکری خرید کر اپنے گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ بکری بہت اچھی تھی۔ رسّی سے بندھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ تین شریر آدمیوں نے مِل کر سازش کی کہ اسے بے وقوف بنا کر اس کی بکری ہتھیائی جائے۔ ایک اس کے پاس آکر ساتھ ساتھ چلنے لگا اور بولا سائیں یہ کتّا کہاں سے لائے؟ "دیہاتی مُسکرایا اور کہا" یہ کتّا نہیں بکری ہے۔" وہ آدمی اس طرح چونک کر ہنسا جیسے دیہاتی نے کوئی عجیب بات کر دی ہو۔ "اچھا تو تم اسے بکری سمجھ کر لائے ہو۔ ہاں! مگر ہے تو کتّا۔" تھوڑی دیر بعد دوسرا آدمی ملا اور اسی طرح علیک سلیک کے بعد بولا "تم نے اچھا کیا یہ کتّا لے لیا، بکریوں کی رکھوالی کرے گا۔" دیہاتی ذرا حیران ہوا۔ مگر بولا "بھائی! کتّا کہاں ہے؟ بکری لئے جا رہا ہوں۔ ابھی بکرا منڈی سے خریدی

ہے۔ " یہ چالاک آدمی بھی زور سے ہنسا جیسے کوئی کسی پھڑکتے ہوئے لطیفے پر ہنستا ہے، پھر بولا "جیو سائیں جیو" اور یہ کہتا ہوا اپنے راستے پر چلا گیا۔ آگے چل کر تیسرا آدمی اسی طرح دیہاتی کے ساتھ آبھڑا، اور اس نے بھی یہی کہا کہ "کتا لینا تھا تو کوئی اچھا سا کتا لیتے۔ یہ معمولی کتا کہاں سے پکڑ لائے؟۔" اب تو دیہاتی بہت چونکا کہ جو ملتا ہے اسے کتا ہی بتاتا ہے۔ وہ بھی گھٹیا قسم کا تو شاید مجھ سے ہی کوئی بھاری چوک ہو گئی ہے۔ اس نے بکری کی رسّی کھول دی۔ بکری ممیاتی ہوئی گھاس پہ منہ مارنے چل دی۔

جب دیہاتی اپنی غلطی پر افسوس کرتا ہوا دور نکل گیا تو ان چالاک آدمیوں نے اس کی بکری ہتھیالی۔

پرانے زمانے کی ان کہانیوں کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ آدمی ان سے عقل سیکھے اور احتیاط سے کام لے۔ ہر بات کو آنکھ بند کر کے سچ نہ مان لے۔ یہ بھی غور کرے کہ کون کہہ رہا ہے۔ اور کس غرض سے کہہ رہا ہے۔ ہر بات جو کان میں پڑے ضروری نہیں کہ سچ ہو۔

اب ایک اور دلچسپ کہانی سنئے۔

کہتے ہیں ایک بے چارہ سیدھا سادا دیہاتی ویران راستے پر چلا جا رہا تھا۔ اس کا گدھا جو اس نے ذرا دیر پہلے خریدا تھا، رسّی سے بندھا اس کے ساتھ پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ راستہ لمبا تھا۔ لمبے راستے پر چلتے چلتے آدمی کو اونگھ آجاتی ہے۔ تھکن سے نڈھال بھی ہو جاتا ہے۔ زیادہ چوکنا نہیں رہتا۔ دو چالاک آدمیوں کو شرارت سوجھی۔ ان میں سے ایک نے چپکے سے آکر گدھے کی رسّی کھول کر اپنے گلے میں ڈال لی اور دیہاتی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ دوسرا گدھے کو لے کر چمپت ہوا۔ تھوڑی دیر بعد دیہاتی نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو گدھا غائب اور اس کی جگہ ایک آدمی رسّی سے بندھا چل رہا تھا۔

اس نے حیرت سے کہا "ہائیں! تم کون ہو اور میرا گدھا کہاں گیا!" یہ آدمی بولا "جناب میں ہی آپ کا گدھا ہوں۔ پہلے آدمی ہی تھا۔ مگر ایک پیر نے میری غلطی پر ناراض ہو کر بد دُعا دی اور مجھے سال بھر کے لئے گدھا بنا دیا۔ آج اسی وقت وہ مدّت ختم ہوئی ہے اور میں پھر آدمی کی جون میں واپس آگیا ہوں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ مجھے غلامی میں رکھیں یا آزاد کر دیں۔ میں بھی آپ کی طرح سفر پر نکلا تھا۔ میرے بیوی بچے سال بھر سے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ آپ اتنی مہلت دیں کہ ان سے مِل آؤں پھر آپ نے چاہا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا"

غریب دیہاتی نے ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا اور وہ اپنے ساتھی سے آملا جس نے گدھے کو سنبھال لیا تھا۔ دراصل اس آدمی نے اپنے آپ کو نہیں بلکہ بے چارے دیہاتی ہی کو گدھا بنایا تھا۔

ننھے موجد

علی رضوان

چین کی سب سے کم عمر پیٹنٹ ہولڈر بچّی چھ سالہ "چن لی" ہے جس نے ایک مکمل طور پر محفوظ کنول کے پھول جیسا نیپکن والا میزپوش ایجاد کیا اور اس کو حکومت سے پیٹنٹ کرالیا ہے۔ یہ بچّی اس کے بعد مزید ۱۳۱ ایجادات کر چکی ہے جن میں سے تین کو پیٹنٹ کرایا جا چکا ہے۔ یہ میزپوش اس نے ۱۹۸۸ء میں ایجاد کیا تھا۔ یہ گول میز کے لئے ہے۔ جب اسے میز پر بچھایا جاتا ہے تو اس کا مرکزی گول حصّہ تو میز پر رہتا ہے اور تکون نما کونے نیچے لٹکے رہتے ہیں۔ ان تکونے حصوں کی نوک پر بٹن لگانے کا سوراخ ہے اور کھانا کھانے والے حضرات ان تکونے نیپکن کو اپنے کالر کے بٹن کے ساتھ لگا سکتے ہیں۔ اس وقت میزپوش کنول کے کھلے پھول کی طرح نظر آتا ہے اور کھانا کھانے والوں کے کپڑے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ لی چن کی دوسری دو ایجادات جو پیٹنٹ ہو چکی ہیں وہ اس کی اور اس سے چار سال بڑی بہن کی کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک ایجاد تو ٹیبل لیمپ ہے جس کے اندر روشنی کم

زیادہ کرنے والا سوئچ چھپا ہوا ہے۔ دوسری ایجاد ایک "پنسل کیس" ہے جس میں چینیوں کا حساب کتاب رکھنے والا چھوٹا سا آلہ اور ایک بک اسٹینڈ بھی لگا ہوا ہے۔ اس بچی کے والد چالیس سالہ لی فنک چھن ہیں۔ وہ ایک پرائمری اسکول میں ٹیچر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لی شروع سے متجسس رہی ہے۔ جب وہ پانچ سال کی تھی تو ایک مرتبہ میز پوش کے نیپکن دیکھ کر کہا تھا کہ "اتنے چھوٹے سے نیپکن سے آپ سینے اور ٹانگیں دونوں کو کیسے بچا سکتے ہیں"؟ تو اس کے والد نے جواب دیا تھا "تو پھر اس کا کوئی حل تلاش کرو۔" اس وقت لی چن کی بڑی بہن کو اپنی ایک چھوٹی سی ایجاد پر قومی انعام مل چکا تھا۔ لی چن نے اپنی بہن کی مدد سے اپنی ایجادات کے لئے خاکے بنانے شروع کر دیئے اور انہیں اپنے والد کو دکھاتی رہی۔ اس کے والد کو کنول کے پھول جیسا نیپکن والا ئیبل میز پوش پسند آیا اور انہوں نے اسے رجسٹر کرالیا۔ لی چن کو نئی نئی باتیں سوجھتی رہتی ہیں۔ اس کی قوتِ مشاہدہ بہت تیز ہے جب اسے کوئی خاص شے نظر آتی تو وہ اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ قلم دان میز پر بہت زیادہ جگہ گھیرتا ہے تو اس نے ایک "ملٹی فنکشنل" قلمدان ایجاد کیا۔ اس نے ملبوسات کے ڈیزائن تیار کئے۔ ملک کی سب سے کم عمر "اسٹیٹ پیٹنٹ ہولڈر" کی حیثیت سے اس کا نام "چین کی ممتاز خواتین" نامی کتاب میں شامل کیا جا چکا ہے۔

مسلح افواج کے تقابلی عہدے

پاک آرمی	پاک فضائیہ	پاک بحریہ
سیکنڈ لیفٹیننٹ	پائلٹ آفیسر	مڈشپ مین آفیسر
لیفٹیننٹ	فلائنگ آفیسر	سب لیفٹیننٹ
کیپٹن	فلائٹ لیفٹیننٹ	لیفٹیننٹ
میجر	اسکواڈرن لیڈر	لیفٹیننٹ کمانڈر
لیفٹیننٹ کرنل	ونگ کمانڈر	کمانڈر
کرنل	گروپ کیپٹن	کپتان
بریگیڈیئر	ایئر کموڈور	کموڈور
میجر جنرل	ائر وائس مارشل	ریئر ایڈمرل
لیفٹیننٹ جنرل	ائر مارشل	وائس ایڈمرل
جنرل	ائر چیف مارشل	ایڈمرل
فیلڈ مارشل	مارشل آف ایئر فورس	ایڈمرل آف دی فلیٹ

وہیل مچھلی

جس کے پیٹ میں ہاتھی سما سکتے ہیں

شیخ عاکفت حمید

آپ فرمائیں گے کہ وھیل ایک مچھلی ہے۔ کیوں کہ اس میں وہ ساری خصوصیات ہیں جو مچھلیوں میں ہوتی ہیں لیکن ذرا ٹھہریئے، اسے مچھلی نہ کہیئے۔ یہ دودھ پلانے والا حیوان ہے۔ یہ گل پھڑوں سے نہیں بلکہ پھیپھڑوں سے سانس لیتی ہے۔ یہ بچے دیتی اور انہیں اپنا دودھ پلا کر پالتی ہے۔ اس میں ماں کی مامتا اسی طرح موجود ہے جس طرح اور حیوانوں میں۔ اس کے دل میں چار پردے ہوتے ہیں۔ غرض اسے مچھلی سمجھنا یا کہنا بالکل غلط ہے۔

تن و توش کے اعتبار سے وھیلیں چھوٹی بڑی ہوتی ہیں۔ لیکن ان کی شکل، طور طریقے اور عادتیں ایک سی ہوتی ہیں۔ بڑی وھیل تقریباً تیس میٹر تک لمبی ہوتی ہے۔ اس کے ہیبت ناک جسم کا تصور تو کیجئے۔ ہاتھی جو خشکی کا سب سے بڑا جانور ہے۔ اس کے پیٹ کے ایک کونے میں نہایت سہولت سے سما سکتا ہے۔

وھیل کی اکثر قسمیں دانتوں سے محروم ہوتی ہیں۔ دراصل انہیں دانتوں کی ضرورت بھی نہیں۔ یہ اپنے شکار کو کاٹتی یا چباتی نہیں۔ غذا نگل جاتی ہیں۔ یہ سانس لینے کے لئے لمبے لمبے وقفوں کے بعد سمندر کی سطح پر آتی ہیں۔ سانس چھوڑنے سے سمندر میں خاصا تلاطم برپا ہو جاتا ہے اور اسی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وھیل اب سطح پر

آنے والی ہے۔
وھیل کے شکاری جہاز جو اس کی تلاش میں سمندر میں گھومتے پھرتے ہیں اسی نشان پر آتے ہیں۔ بارود کے ذریعے لمبے لمبے نیزے وھیل پر فائر کئے جاتے ہیں۔ جو اس کے جسم میں کُھب جاتے ہیں۔ یہ معصوم جانور درد سے بے تاب ہو کر سمندر میں غوطے مارتا ہے۔ کچھ دیر بعد سانس لینے کے لئے پھر اُبھرتا ہے تو نیزوں کی ایک اور باڑھ ماری جاتی ہے۔ اسی طرح وھیل کچھ دیر بعد بے جان ہو کر سمندر پر تیرنے لگتی ہے۔ جہاز کی مشینیں لمبی لمبی چُھریوں کے ذریعے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ جس سے سمندر کا شفاف پانی خون آلود ہو جاتا ہے اور وھیل کا شکار ہو جاتا ہے۔

مزید محنت کی ضرورت ہے

"وفادار شخص" نور حسین مری، میرپور خاص۔ "بے لوث محبت" (؟) "حضرت امام حسینؓ" شبیر احمد آصف، گڑھ فتح شاہ "مقام سوچ" راجہ ایاز، بلوچستان۔ "زندگی کا آغاز" صائمہ گل، کراچی۔ "پتنگ بازی" سید عثمان حسنی، لاہور۔ "ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور" "بھائی زہریلے" سجاد حسین، ایبٹ آباد۔ "روٹی کا ٹکڑا" مہوش طالب، لاہور کینٹ۔ "سبق" ارم ارشد (؟) "طلسمی صندوق" راج کمار، بخشاپور۔ "جرأت ایمانی" طارق احمد، عارف والا۔ "دو سہیلیاں، فریحہ عابد، فیصل آباد۔ "بے وقوف کوا" محمد وجاہت علی ذیشان، کراچی۔ "شہزادہ جان کی جیت" سہیل عباس، ساہیوال۔ "چھوٹی سی غلطی" صائمہ اقبال قادری، کراچی۔
"کوے اب گھر کو جا" (نظم) حافظ مظفر محسن، لاہور۔ "عید اور افراتفری" علی حسن، ماتلی "اہم معلومات" الیس بھٹو، دادو۔ "کراچی کا سفر" سید عثمان حسنی، لاہور۔ "سگریٹ نوشی کے فوائد" آصف رضا ساغر، ہارون آباد۔ "غریب آدمی" محمد سلیم، اکوڑہ۔ "لالچ بری بلا ہے" ندیم سلیم، چکوال۔ "کامیابی" محمد سلیم، چکوال۔ "مزاحیہ مشاعرہ" روح اللہ، کراچی۔ "قومی گیت" (نظم) "خوفناک جن" ثناء اللہ خان، حیدر آباد۔ "جھوٹ کی سزا" شبیر نواز، بورے والا۔ "اونچی اڑان"، ارشد محمود شہزاد، چکوال۔ "ذرا سوچو تو" عمر سرفراز، گلگت۔ "رحم دل بادشاہ" شہنیلا شہاب، کراچی۔ "شیطان کا کھیل" فیصل عثمان باجوہ، خانیوال۔ "جب ہماری شامت آئی" ثمرہ شبانہ، جھمرہ سٹی۔ "رئیس اور اس کا خادم" نائلہ مبین، کراچی۔ "لالچی ملکہ" ثنا مبین، کراچی۔ "تلاش مسلسل" مہر محمد اسلم ندیم، خانیوال۔ "دوستی" (؟) "فدمولے کی چوری" اظہر کمال، کراچی۔ "اکیسویں صدی" شیخ عاصم حمید، کراچی۔ "مسلمان" انصر محمود، مسقط۔ "محنت کی کمائی" مجیب ربانی، سرائے سدھو۔ "پیارا بچہ" محمد عظیم قریشی، اسلام آباد۔ "امتحان فطرت" ملک طارق محمود، گولارچی۔ "تین سوال" خلیل احمد سرفراز، ٹنڈو جام۔ "ایمانداری" محمد سلیم، چکوال۔
"پیاری ماں کا پیارا وعدہ" (؟) "ردی کی ٹوکری،" "استاد،" "بنیں بچے پاکستانی" شہباز اکبر الفت، لاہور "بلوچانی" فاطمہ قریشی، پشاور۔ "آخری لطیفہ" سحر کیانی، کراچی۔

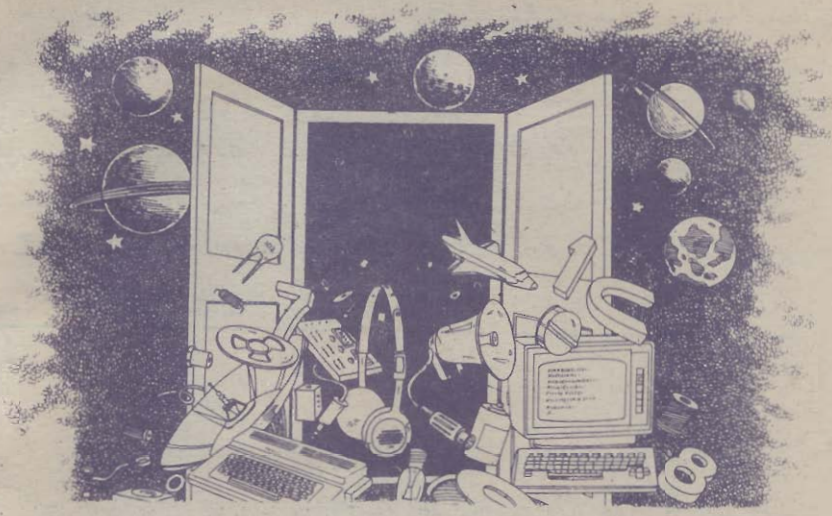

ڈکشنری

سائنسی موضوعات پر سوال و جواب کا سلسلہ

ایاز محمود

س:۔ کیا وجہ ہے کہ انسان ریت، بجری یا ریگستان میں تیز نہیں چل سکتا۔ جب کہ اونٹ ریت میں بھاگتا ہے؟ ریحان حسین، کراچی۔

ج:۔ اونٹ کو صحرا کا جہاز کہتے ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کھائے پیئے بغیر کئی دنوں تک اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت وہ ہے جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا۔ یعنی یہ کہ اونٹ کسی دقت کے بغیر ریت میں چلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ اس کے پیروں کے تلووں کی مخصوص بناوٹ ہے جن کی مدد سے وہ بغیر کسی مشکل کے اپنا سفر جاری رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اونٹ کی مخصوص چال بھی اس کو ریت پر بخوبی چلنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ چال شاید بعض لوگوں کو بے ڈھنگی محسوس ہو، مگر یہ اونٹ کے لئے بہت فائدہ مند ہے اور اس کی توانائی کو بہت کم خرچ ہونے دیتی ہے۔

س:۔ سنا ہے کہ سانپ ایک خاص عمر کو پہنچ کے کینچلی بدل لیتا ہے۔ یہ کس طرح سے ممکن ہوتا ہے؟ تفصیل سے بتایئے۔ انجم خالد قریشی، کوئٹہ۔

ج:۔ سانپ کا شمار ان جان داروں میں ہوتا ہے

جو تمام عمر جسمانی طور پر بڑھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا وقتاً فوقتاً سانپ کی کھال اس کے بڑھتے ہوئے جسم کے لئے چھوٹی پڑ جاتی ہے اور اس کا یہی علاج رہ جاتا ہے کہ وہ اپنی کھال سے چھٹکارا حاصل کرے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے کہ جیسے بڑھتے ہوئے بچّوں کے کپڑے ان کے جسموں کی مناسبت سے ان کے لئے موزوں نہیں رہتے۔ مختلف سانپوں کے بڑھنے کی رفتار بھی مختلف ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک سے تین مہینے کے وقفے سے سانپ اپنی کھال کو بدلنے کا عمل جاری رکھتے ہیں۔ اور اسی کو کینچلی بدلنا کہا جاتا ہے۔

جب یہ مرحلہ آتا ہے تو سانپ اپنے نچلے نٹ کو کسی درخت کے تنے یا ایسی ہی کسی اور سخت چیز سے رگڑتا ہے۔ یہاں پر کھال کا کچھ حصہ علاحدہ ہو کر لٹک جاتا ہے۔ اس لٹکی ہوئی کھال کو سانپ کسی چیز میں اٹکا کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگتا ہے اور یوں پوری کھال الٹی ہو کر باہر نکل آتی ہے۔ پرانی کھال کے نیچے سے نئی کھال بر آمد ہوتی ہے۔ اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ سانپ جیسے جیسے بوڑھا ہوتا جاتا ہے۔ اس کے بڑھنے کی رفتار نسبتاً کم ہو جاتی ہے اور کینچلی بدلنے کے عمل میں درمیانی وقفہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

س:۔ ہمیں یہ کیوں محسوس نہیں ہوتا کہ زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے؟ محمد عمر قریشی اسلام آباد۔

ج:۔ آپ نے صحیح کہا۔ ہماری زمین سورج کے گرد مستقل گھوم رہی ہے۔ اور ہماری زمین ہی نہیں بلکہ اس کے دیگر آٹھ بہن بھائی بھی یعنی نظام شمسی کے آٹھ سیارے۔ ان سیاروں کے چاند، شہاب ثاقب اور دُم دار ستارے، مستقل مزاجی سے سورج کے گرد گھومے جا رہے ہیں۔ اس عمل سے مرکز گریز قوت پیدا ہوتی ہے ورنہ سورج ایک بڑے مقناطیس کی طرح اپنے جگر گوشوں کو کھینچ لیتا۔

ہاں تو ذکر ہو رہا تھا زمین کی گردش کا۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ سورج کے گرد زمین کا ایک چکر پورا ۳۶۵ دنوں میں پورا ہوتا ہے اور یوں ایک سال کے عرصے کو شمار کیا جاتا ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ ہم اس حرکت کو محسوس کیوں نہیں کر سکتے۔ تو بھئی یہ حرکت غیر محسوس ہے اس لئے ہمیں اس کا پتہ نہیں چلتا۔ غیر محسوس اس لئے ہے کہ زمین کا یہ عظیم الشان کرہ کراچی کی سڑکوں پر تو لڑھک نہیں رہا کہ ہچکولے پر ہم چونک چونک پڑیں۔ یہ تو خلا کے اندھیاروں میں سورج کے گرد غیر محسوس طریقے سے چکر پہ چکر لگائے جا رہا ہے۔ اس کے راستے میں نہ تو رکاوٹیں ہیں اور نہ ہی جھٹکے۔

س:۔ ہمارے جسم کا کوئی حصہ سُن کیوں ہو جاتا ہے؟ عظیم قریشی۔ اسلام آباد۔

ج:۔ جسم کے کسی حصّے کے سُن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پر وقتی طور پر خون کا دوران معطل ہو گیا۔ ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جب ہم مستقلاً

ایک ہی انداز میں خاصی دیر تک اس طرح بیٹھے رہیں کہ ہمارے بیٹھنے کے انداز سے جسم کے کسی خاص حصّے مثلاً بازو یا ٹانگ وغیرہ میں دورانِ خون صحیح طریقے سے نہ ہو رہا ہے۔ اسی لئے وہ لوگ جو اپنے کام کی نوعیت کے اعتبار سے ایک جگہ بیٹھ کر کام کرتے ہیں، ان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وقفے وقفے سے تھوڑی سی چہل قدمی کر لیں۔ اس سے دورانِ خون بہتر ہوتا ہے۔ بہت زیادہ سردی میں بھی ہمارے جسم کے کچھ حصّے مثلاً ناک، کان اور انگلیاں وغیرہ سُن ہو جاتے ہیں۔ ٹھنڈے یخ پانی میں کچھ دیر ہاتھ ڈالے رکھنے کا بھی یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے۔ ٹھنڈک سے دورانِ خون متاثر ہوتا ہے اور یوں ہمیں مُتاثرہ حصے کے سُن ہونے کا احساس ہوتا ہے۔

بعض صورتوں میں مریض کو فوری تکلیف سے بچانے کے لئے ڈاکٹر انجکشن یا اسپرے کے ذریعے جسم کے اس حصّے کو سُن کر دیتے ہیں جسے تکلیف سے بچانا مقصود ہو۔ سُن کر دینے والی دوائیاں درد کا احساس کرنے والے اعصاب کے عمل میں خلل ڈالتی ہیں اور یوں مریض تکلیف کے احساس سے بچ جاتا ہے۔

س:۔ پانی آگ بجھا دیتا ہے۔ جبکہ تیل یا پیٹرول آگ جلانے کے کام آتے ہیں۔ پانی اور پیٹرول دونوں مائع ہیں پھر ان کی خصوصیات میں فرق کیوں ہے؟ سہیل خان عمرانی، عمر کوٹ۔

ج:۔ پانی اور پیٹرول کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ پانی آگ کو اس لئے بجھا دیتا ہے کہ فوری طور پر آکسیجن کی ترسیل اور فراہمی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے جو کہ جلنے کے عمل کے لئے معاون گیس ہے اور اس کے بغیر جلنے کا عمل ممکن نہیں۔

پیٹرول اور اسی نوعیت کے مائع جات کا سلسلہ ذرا مختلف ہے۔ یہ وہ مائع جات ہیں جو جلتے ہیں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ہر مادی شے نہایت چھوٹے چھوٹے ذرّات سے مل کر بنی ہے جنہیں ہم جوہر یا ایٹم کہتے ہیں۔ سالمہ، جسے ہم انگریزی میں مالیکیول کہتے ہیں، انہی جوہروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جلنے والے مائع جات کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کے سالمے ہوا میں موجود آکسیجن کے ساتھ مل کر جلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حرارت کی فراہمی سے ایسے سالموں کی حرکت میں بہت تیز اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ ہوا میں موجود آکسیجن کے ساتھ مل کر مائع سے بخارات کی شکل میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

خام تیل جس سے پیٹرول بنتا ہے ایک نہایت اہم مائع ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ آج کی یہ ترقی تیل ہی کی مرہونِ منّت ہے۔ اس کو زندگی سے نکال دیں تو کیا حشر ہو گا؟ اس بات کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

فوٹوگرافی کا ایک یادگار لمحہ

بخت کی چڑیا کا سر پر بیٹھنا سنا تو تھا مگر دیکھا اب ہے

خوفناک کتے اور بے خوف بطخ کی بے لوث دوستی

تمہارے بچے سلامت ہیں

شگفتہ شمیم

وہ جون کی ایک گرم دوپہر کا منظر تھا۔ شدید گرمی کی وجہ سے منظر کا ہر حصہ گہرے سکوت میں ڈوبا دکھائی دے رہا تھا، سوائے گلی کے انتہائی کونے میں واقع امرود کے درخت کے، جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر شاخ سے چڑیوں کی چوں چوں کی صدا آ رہی تھی۔ پیڑ کے وسط میں گھنی گھنی شاخوں کے درمیان بنے ہوئے گھونسلے میں ایک لابیل اپنے چار عدد انڈوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ دائیں طرف ایک موٹی سے شاخ کے سرے پر ایک کمزور اور بوڑھا کوّا سر جھکائے خاموش خاموش سا

بیٹھا تھا۔

کوا وقفے وقفے سے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتا۔ کمزور سی آواز میں کائیں کائیں کرتا اور پھر سر جھکا کر آنکھ موند لیتا۔ ایک بار اس کی آنکھ کھلی تو نظر نیچے زمین پر پڑے ہوئے ڈبل روٹی کے ٹکڑے پر جا پڑی۔ کوا جو صبح سے بھوکا تھا مگر ضعیفی کی وجہ سے خوراک کی تلاش سے قاصر تھا۔ ڈبل روٹی کے ٹکڑے کو دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے نظر گھما کر ایک گھر کی چوکھٹ پر سوئی ہوئی بلی کو پرکھا۔

پھر پروں کو ہلکے ہلکے پھیلا کر ان کی توانائی کا اندازہ کیا۔ آہستگی کے ساتھ نیچے اترا، ٹکڑے کو منہ میں دبایا اور واپس اپنی جگہ جا بیٹھا۔

کوئے نے ڈبل روٹی کو کھانے کی غرض سے ایک تنے پر رکھا مگر تنے کی چکنی سطح پر ٹکڑا ٹھہر نہ سکا اور نیچے گرنے لگا۔ اس نے لپک کر ٹکڑے کو چونچ میں دبایا۔ ذرا سا آگے بڑھ کر اسے دوبارہ رکھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ کوا ذرا سا اور آگے بڑھا۔ اس کوشش میں وہ ابابیل کے گھونسلے کے قریب جا پہنچا۔ کوے کی نظر ایک ایسے تنے پر تھی جس میں سے ایک ساتھ تین چار شاخیں نکلی ہوئی تھیں۔ اسے ٹکڑا رکھنے کے لئے ایک بہتر جگہ میسر آ گئی تھی۔ ابھی اس نے ٹکڑے کو شاخوں کے درمیان رکھا ہی تھا کہ گھونسلے پر بیٹھی ہوئی ابابیل غصے سے چیخ پڑی۔

"کیوں کوئے صاحب! کہاں منہ اٹھائے چلے آ رہے ہیں"؟

کوا ابابیل کی آواز سن کر چونک پڑا۔ "اوہ! معاف کرنا بہن مجھے خیال نہیں رہا۔ مہربانی کر کے مجھے اجازت دو تو میں اپنا کھانا یہاں رکھ کر کھالوں ..... بڑی بھوک لگی ہے۔"

"یہاں پر رکھ کر؟" ابابیل حیرت سے بولی۔ "تم دیکھ نہیں رہے یہ جگہ میرے گھونسلے سے کتنے قریب ہے؟"

"مجھے معلوم ہے۔ میں تو صرف اپنا کھانا کھانا چاہتا ہوں۔ پھر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"نہیں یہ نا ممکن ہے۔" ابابیل اُڑ گئی۔ "تم بڑے چالاک ہو۔ مجھے معلوم ہے تمہاری نظر میرے انڈوں پر ہے۔"

ابابیل کی اس الزام تراشی پر کوا غصے سے سُلگ اٹھا۔ اس کا دل چاہا کہ ابابیل کو کھری کھری سنائے مگر وہ جانتا تھا کہ کسی کی بے وقوفانہ باتوں کا جواب دینا اس سے زیادہ بڑی بے وقوفی ہے۔ پھر وہ اتنا کمزور اور بوڑھا تھا، اس میں ابابیل سے لڑنے کی سکت کہاں تھی۔ اس نے ابابیل کو ایک بار اور سمجھانے کی کوشش کی۔

"بہن تم جانتی ہو میں نے ایسی حرکت کبھی نہیں۔ ایک عرصے سے میرا اسی درخت پر ٹھکانہ ہے۔ اور پھر انڈوں پر تو تم بیٹھی ہوئی ہو۔ میں بھلا انہیں کیسے کھا سکتا ہوں۔"

مگر کوے کی التجاؤں کا بد مزاج ابابیل پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ زیادہ زور زور سے چیخنے لگی۔ اب یہ نہ جانے ابابیل کی تیز آواز کا ارتعاش تھا یا ہوا کا

قصور کہ ٹکڑا شاخوں کے درمیان سے پھسلا اور چوکھٹ پر سوئی ہوئی بلی کے عین منہ کے پاس جا گرا۔ بے چارگی میں مجبوری کے سبب کوّے کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے شکوہ بھری نگاہوں سے ابابیل کی طرف دیکھا اور ٹکڑے کے ہاتھ سے نکل جانے پر افسوس کرتا ہوا واپس اپنی جگہ جا بیٹھا۔

دوپہر ڈھل کر شام کا روپ اختیار کرنے لگی تو منظر پر طاری سکوت بھی آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگا۔ گلی دھیرے دھیرے کھیلنے والے بچوں سے بھرتی گئی۔ کہیں سے دودھ والے کے سائیکل کی ٹن ٹن اور برتنوں کے کھنکنے کی صدا آنے لگی تو کہیں سے کرکٹ کے بلے کی ٹخ ٹخ کی آواز۔ مگر سب سے زیادہ شور تو ابابیل کے گھونسلے سے آرہا تھا۔ جہاں ننھے ننھے بچے دنیا میں پہلا پہلا قدم رکھ رہے تھے۔

سب سے پہلے ایک انڈے میں دراڑیں پڑنی شروع ہوئیں اور چھلکوں کو توڑتا ہوا ایک منا سا بچہ باہر نکل آیا۔

"چوں، چوں، چوں۔" بچہ خوشی سے چیخا۔

"خوش آمدید میرے بچے۔ خوش آمدید۔" ابابیل بولی۔ پھر دوسرا، تیسرا، چوتھا۔ ننھے ننھے گوشت کے لوتھڑے جیسے بچے جن کے جسم پر پروں کا نام و نشان تک نہ تھا، ابابیل کی آنکھ کے تارے اور دل کا قرار تھے۔ ابابیل محبت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ دن ڈھلے اپنے اپنے ٹھکانوں کو آنے والے پرندے ابابیل کو مبارکباد دینے لگے۔ شام گہری ہوئی تو پرندوں کو اپنے اپنے گھروں کی فکر آپڑی، اسی لئے وہ ابابیل کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھونسلوں میں چل دیئے اور ابابیل بچوں کے ساتھ تنہا رہ گئی۔

"چوں چوں چوں۔" دنیا میں آنے والے بچوں نے ماں سے پہلا سوال کیا۔ "ماں بھوک لگی ہے۔"

"ہیں!!" ابابیل چونک اٹھی۔ اس طرف تو اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ "اب کیا کروں۔؟ اتنی شام ہو گئی ہے بچوں کے کھانے کا انتظام کیسے کروں۔؟؟ اس وقت کھانے کا انتظام کہاں سے ہو سکتا ہے۔" ابابیل سوچنے لگی۔ اچانک اسے سڑک والے جوہڑ کا خیال آگیا۔ اس وقت وہاں سے کھانے کو کچھ مل سکتا تھا اور وہ سڑک زیادہ دور بھی نہیں تھی۔

"میں اندھیرا ہونے سے پہلے واپس آجاؤں گی۔" اس نے دل ہی دل میں وقت کا اندازہ کیا اور چلنے کو تیار ہو گئی۔ مگر پھر اسے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ "اگر میری غیر موجودگی میں کوّے نے میرے بچوں کو کوئی نقصان پہنچایا تو؟" اس نے رخ موڑ کر شک بھری نظروں سے دیکھا لیکن کوّا اپنے پروں میں سر گھسائے سو رہا تھا۔ "امی..... امی بھوک۔"

"اچھا..... ابھی لائی۔" ابابیل بچوں کو تسلی

دے کر اڑنے لگی۔ اس کو جوہڑ کے قریب کیڑے مکوڑے تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی کیونکہ ابھی کافی روشنی تھی۔ ابابیل آرام سے پھُدک پھُدک کر کیڑے پکڑنے لگی۔ خوراک جمع کر کے وہ گھر جانے کے ارادے سے جیسے ہی اڑی اچانک اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اور وہ ایک مکان کی دیوار سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"یہ کیا ابھی تو اتنی روشنی تھی ..... یہ اندھیرا کہاں سے چھا گیا؟" اس نے سہم کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنی بے وقوفی پر سر پیٹ کر رہ گئی۔ وہ جوہڑ ایک اسٹریٹ لائٹ کے نیچے تھا۔ ابابیل لائٹ کی روشنی کو دن سمجھ کر آرام سے اپنی خوراک چگتی رہی تھی۔

اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ابابیل خاموشی سے ایک قریبی درخت کی شاخ پر بیٹھ کر صبح کا انتظار کرنے لگی۔ ساری رات آنکھوں میں کاٹی اور بچوں کے خیال سے ہولتی رہی۔ صبح کی سفیدی پوری طرح پھیلنے سے پہلے ہی وہ اپنے گھونسلے کی جانب چل پڑی۔ جانے پہچانے راستوں سے گزرتے ہوئے جب وہ اپنے درخت پر پہنچی تو گھونسلے میں کالے کالے سے پر دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"کھا گیا میرے بچوں کو..... کھا گیا۔ اس نے وہیں بیٹھ کر چیخنا شروع کر دیا۔ "ارے کلوے میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو تو نے مجھ سے یہ بدلہ لیا۔" ابابیل زور زور سے سینہ کوبی کرنے لگی۔

انمول موتی

مرسلہ: افشاں مشہود۔ کراچی

○ وہ مسلمان نہیں جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

(حضرت محمد مصطفیٰؐ)

○ جو کوئی خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو کوئی ایذا اور تکلیف نہ دے۔

(حضرت محمد مصطفیٰؐ)

○ وہ مومن نہیں جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے امن میں نہیں۔

(حضرت محمد مصطفیٰؐ)

○ جو شخص یہ پسند کرلے کہ خدا اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کریں تو اسے اپنے ہمسایوں کا حق ادا کرنا چاہئے۔

(حضرت محمد مصطفیٰؐ)

○ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اپنے ہمسائے کے لئے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے کرتا ہے۔

(حضرت محمد مصطفیٰؐ)

اس کی آواز پر تمام پرندے جاگ اٹھے۔

"کیا ہوا بھئی کیا ہوا ؟"

"دیکھو تو اس کلوے کو..... میرے بچوں کو کھا کر اسے کیا ملا ؟"

شور کی آواز پر گھونسلے میں سوئے ہوئے کوّے کی آنکھ بھی کھل گئی۔ اسے ابابیل پر تاؤ آنے لگا۔

"ارے بد گمان چڑیا..... خدا کے لئے اب بس کرو۔ میری بھلائی کو تم برائی سے کیوں منسوب کر رہی ہو۔ تم خود تو اپنے ننھے ننھے سے بچوں کو چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلی گئی تھی ؟ بے چارے رات کو ڈر ڈر کر تمہیں پکارتے رہے۔ مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں گئی اور میں ان کی تسلی کے لئے تمہارے گھونسلے میں چلا گیا اور تم کہہ رہی ہو کہ میں نے تمہارے بچوں کو کھا لیا۔" کوّا بولتے بولتے رو پڑا۔ "یہ دیکھو بہن تمہارے بچے سلامت ہیں۔" اس نے آہستہ آہستہ سے اپنے پھیلے ہوئے پروں کو سمیٹا جس کے سائے میں ابابیل کے چاروں بچے آرام سے سو رہے تھے۔ ابابیل پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

"چوں چوں چوں۔" سارے پرندے زور زور سے چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ "بد مزاج ابابیل! لڑا کا ابابیل"۔ اور ابابیل شرمندگی سے سر جھکائے سنتی رہی۔

جب سورج نکلا اور دھوپ خوب تیز ہو گئی تو اپنے اپنے بچوں کے لئے کھانا لانے والی ابابیلوں نے ایک حیران کن منظر دیکھا۔ درخت کی ایک شاخ پر ابابیل کے گھونسلے سے نہایت قریب بوڑھا کوا ڈبل روٹی کے ایک ٹکڑے کو چھوٹی چھوٹی شاخوں میں پھنسائے ان پر چونچ مار رہا تھا اور ابابیل آرام سے گھونسلے میں بیٹھی مسکرا مسکرا کر کبھی اپنے بچوں کو اور کبھی بوڑھے کوّے کو دیکھتی جا رہی تھی۔

نیکی کر دریا میں ڈال

غزنی میں رہائش رکھنے والے ایک بزرگ عثمان حزب آبادی، شلجم، چقندر اور ایسی ہی دیگر سبزیاں پکا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کھوٹا سکّہ لے کر آپ کے پاس آتا تو سودا دینے سے انکار نہ کرتے، بلکہ کھوٹا سکّہ لے لیتے اور سودا بھی پورا دیتے۔ اس عادت کی وجہ سے بہت سے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ انہیں کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہی نہیں۔ حالاں کہ یہ بات نہیں تھی۔ جب آپ کے انتقال کا وقت آیا تو آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: "میرے مالک تو آگاہ ہے کہ میں لوگوں کے کھوٹے سکّے دانستہ قبول کر لیا کرتا تھا، تو بھی میرے کھوٹے اعمال اپنی خاص عنایت سے قبول فرمالے۔"

مرسلہ:- عرفان حیدر بخاری، صادق آباد

مومی عجائب گھر

نثار احمد ھاشمی

"لندن میں قائم "مادام تساؤ" کے عجائب خانے کو اب بھی دنیا کے چند مشہور اور قابلِ ذکر عجائب خانوں میں شمار کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ برسوں گزرنے کے باوجود اس مومی عجائب خانے کی عمارت میں لوگوں کی دلچسپی اور کشش روزِ اوّل کی طرح قائم ہے۔ شہر کے وسط میں قائم اس عجائب خانے کی عمارت کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس عمارت کے اندر کیا کیا عجائب موجود ہیں۔

جب اس عجائب خانے کی تعمیر شروع ہوئی تھی اس وقت گمان بھی نہ تھا کہ یہ علاقہ شہر کے بالکل

وسط میں اتنا گنجان آباد ہو جائے گا۔ اب عجائب خانے کے باہر سیاحوں کی بسیں اور شائقین کی لمبی لمبی قطاریں اس علاقے میں مادام تساؤ کے عجائب خانے کا احساس دلاتی ہیں اور اس حوالے سے گرد و نواح کا پورا علاقہ "ٹورسٹ پلیس" بن چکا ہے جہاں صبح سے شام تک کئی ہزار سیاح محض عجائب خانے کی وجہ سے موجود رہتے ہیں۔

صبح دس بجے سے شام پانچ بجے تک مومی عجائب خانہ کو دیکھنے والوں کی لمبی قطاریں ہر وقت موجود رہتی ہیں جنہیں ٹکٹ کے حصول کے لئے بسا اوقات گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ تاہم عجائب خانے کی انتظامیہ نے لوگوں کو انتظار کی کوفت سے بچانے کے لئے وہاں بھی مختلف دلچسپیاں رکھی ہیں، بالخصوص بچوں کے لئے دو جوکر مضحکہ خیز حلیہ بنائے قطار کے ساتھ ساتھ گھومتے رہتے ہیں اور بچوں کے ساتھ شرارتیں کر کے ان کا دل بہلاتے رہتے ہیں۔

عجائب خانے کی حدود میں داخل ہونے سے قبل مردوں کی جامہ تلاشی اور خواتین کے پرس بھی چیک کئے جاتے ہیں لیکن اس انداز سے کہ کسی کو نہ تو تضحیک محسوس ہوتی ہے اور نہ ہی ناگوار گزرتا ہے۔ داخلے کا ٹکٹ بڑوں کے لئے سات پونڈ یعنی تقریباً ساڑھے تین سو روپے اور ۱۲ سال سے کم عمر کے بچوں کے لئے تین پونڈ یعنی تقریباً ڈیڑھ سو روپے میں ملتا ہے۔ ٹکٹ لے کر لفٹ کے ذریعے آپ بالائی منزل پر جائیں گے تو لفٹ

ضروری ساز و سامان

ایک شخص پر اس کے قریبی رشتہ داروں نے پاگل ہونے کا الزام لگایا۔ فیصلے کے لئے مقدمہ عدالت میں پیش ہوا۔ ایک نوجوان وکیل اس شخص کی پیروی کر رہا تھا۔ سماعت کے دوران جج نے وکیل سے کہا کہ "کیوں نہ اس شخص کو کچھ نوٹ دے کر دیکھا جائے کہ وہ رقم گن سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے اس کی سمجھ بوجھ کی آزمائش ہو جائے گی۔"

مگر نوجوان وکیل نے جج کی رائے کو نظر انداز کر دیا۔

چند لمحے بعد جج نے جھلا کر کہا "آپ میری بات پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ اس شخص کو کچھ نوٹ دے کر دیکھئے کہ وہ رقم ٹھیک سے گن سکتا ہے یا نہیں۔"

نوجوان وکیل نے ہچکچاتے ہوئے کہا کہ "یور آنرز میں نے چند دن پہلے ہی پریکٹس (وکالت) شروع کی ہے، آپ نے جس تجربے کا ذکر کیا ہے اس کے لئے میرے پاس ضروری "ساز و سامان" نہیں ہے۔

مرسلہ:۔ عباس علی شاہ، کراچی

سے باہر نکلتے ہی راہ داری میں آپ کو یونیفارم میں ملبوس ایک شخص نظر آئے گا جس کو دیکھ کر تقریباً ہر آدمی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انتظامیہ کا کوئی آدمی ٹکٹ چیک کر رہا ہے۔ اس لئے ٹکٹ فوراً اس کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں لیکن موم کا بنا ہوا وہ مجسمہ نہ تو آپ کا ٹکٹ پکڑ سکتا ہے اور نہ چیک کر سکتا ہے چنانچہ اپنی خفت مٹاتے ہوئے اور ایک دوسرے پر ہنستے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ آگے بڑھ جاتے ہیں جس کے بعد حیرت و استعجاب اور قدم قدم پر دھوکہ کھانے کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

عجائب خانے کی غلام گردشوں اور چھوٹے چھوٹے چبوتروں پر شہرۂ آفاق شخصیات کے مومی مجسمے انتہائی خوب صورتی سے آویزاں کئے گئے ہیں پھر روشنی کے کمالات کا اتنا بھرپور مظاہرہ کیا گیا ہے کہ ہر مجسمے کی مسکراہٹ اور انداز دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ اچانک آپ کی طرف بڑھے گا۔ یہاں قدم قدم پر دھوکہ ہے۔ حقیقت پر گمان اور گمان پر حقیقت کا دھوکہ ہوتا ہے۔ لوگ انسانوں کو مجسمہ اور مجسموں کو انسان سمجھنے لگتے ہیں۔ ایک سردار اپنی مخصوص پگڑی اور روایتی لباس میں عجائب خانے کا تماشا دیکھنے آئے تو خود تماشا بن گئے لڑکیاں ان کو چھو چھو کر دیکھتیں اور جہاں وہ ایک لمحے کے لئے کھڑے ہوتے لوگ انہیں بھی مجسمہ سمجھ کر ان کے ساتھ تصاویر بنواتے۔

عجائب خانے میں سینکڑوں کے حساب سے اہم اور قابل ذکر شخصیات، ملکی و غیر ملکی سربراہوں، اپنے اپنے شعبوں میں نمایاں اور شاندار خدمات انجام دینے والی شخصیات کے مجسمے رکھے گئے ہیں جن کی خالق "مادام تساؤ" اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ ان کے بعد بھی مجسمے بنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ برطانیہ کے پورے شاہی خاندان کے مجسمے گروپ کی شکل میں موجود ہیں۔ جن میں چارلس اور ڈیانا بھی شامل ہیں۔ لیڈی ڈیانا کا علیحدہ سے کوئی مجسمہ نہیں ہے تاہم انہوں نے اپنی شادی پر جو لباس پہنا تھا اس کو عجائب خانے کی زینت بنا دیا گیا ہے۔

پاکستان کے حوالے سے یہ اعزاز صرف محترمہ بے نظیر بھٹو کو حاصل ہے کہ کسی پاکستانی اور وہ بھی زندہ شخصیت کا مجسمہ یہاں موجود ہے۔ اس مجسمے میں انہیں وہ لباس پہنایا گیا ہے جو انہوں نے وزیر اعظم کے عہدے کا حلف اٹھاتے ہوئے پہنا ہوا تھا، جب کہ بھارت کے آنجہانی راجیو گاندھی اور اندرا گاندھی کے مجسمے بھی یہاں موجود ہیں۔

غرض یہ عجائب گھر واقعی دیکھنے کی چیز ہے۔

بے مزہ مگر مزے دار

نانجیریا میں ایک ایسا پھل پایا جاتا ہے جس کا اپنا کوئی ذائقہ نہیں ہوتا لیکن اس پھل میں دوسرے پھلوں کے ذائقے تبدیل کرنے کی صلاحیت چھپی ہے۔ مثلاً اس کو کھانے کے بعد کھٹا لیموں کھایا جائے تو وہ میٹھا ہو جائے گا۔

مناسب دام ۔ بہت سا آرام

آنکھ مچولی

گھر بیٹھے پایئے

86 روپے بچایئے

آنکھ مچولی کے ۱۰ عام اور ۲ خاص شماروں کی سالانہ قیمت مع رجسٹرڈ ڈاک خرچ ۲۳۶ روپے بنتی ہے

مگر!

ممبر شپ حاصل کرنے پر ۸۶ روپے کی خصوصی بچت

آپ ہمیں ۱۵۰ روپے کا منی آرڈر روانہ کر دیجئے
ہم آپ کو سال بھر آنکھ مچولی باقاعدگی سے بھجواتے رہیں گے۔

- منی آرڈر فارم پر اپنا مفصل نام اور پتہ ضرور لکھئے:
- مشرقِ وسطیٰ کیلئے ۴۰۰ روپے
- امریکہ اور یورپ کیلئے ۵۰۰ روپے

منی آرڈر اس پتے پر روانہ کریں

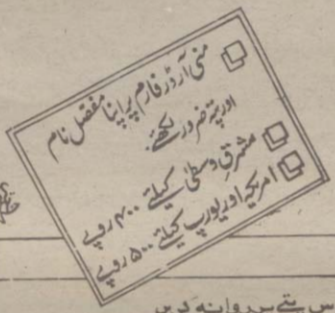

ماہ نامہ آنکھ مچولی - 1 - پی - آئی - بی کالونی، کراچی ۵

خواب

محمد اشفاق مغل

میں نے دیکھی خواب میں پانی کی اک چھوٹی سی جھیل
جس میں کیڑے اور مکوڑے چگ رہی تھیں مچھلیاں
تیرتی اور کودتی اور پھاندتی یہ مچھلیاں
پھر رہی تھیں خوب لیکن جھیل میں یوں قید تھیں
بند اِک اونچے احاطے میں ہوں جیسے بکریاں
آ رہے تھے آڑ میں لہروں کے منہ کھولے ہوئے
اود بِلّے اور کچھوے اور نہنگ[1] و سوس مار[2]
اور ہوا میں خاص جنگی ڈھب سے لہراتے ہوئے
زاغ، کرگس اور شکرے، بوم اور شاہین و باز
اور لئے بیٹھے تھے ہاتھوں میں شکاری بنسیاں
مارتے تھے تاک کر کشتی سے ماہی گیر جال
دیر تک تڑپا میرا دل دیکھ کر مچھلی کا حال
ناگہاں اک صورتِ شیطان سارس نے کہا
آؤ شاعر کھاؤ مچھلی اور مرغابی بنو
تم نہیں بنتے ہو ماہی گیر تو ماہی بنو
آنکھ میری کھل گئی جب یہ صدا میں نے سنی

۱۔ مگرمچھ
۲۔ ایک خیالی جانور ۔۔۔ گوہ

کشمیر کا بیٹا

اعجاز احمد فاروقی

لوگ مجھ کو اتنا اچھا کیوں سمجھتے ہیں؟
لوگ میرا اتنا خیال کیوں کرتے ہیں؟
لوگ مجھے دیکھ کر اتنا خوش کیوں ہوتے ہیں؟

اس قسم کے سوالات مختار احمد گیلانی کے ذہن میں گونجتے رہتے تھے لیکن ابھی بارہ سالہ گیلانی کا ذہن اتنا مختصر تھا کہ وہ ایسے سوالوں کا اپنے آپ کوئی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اسکول آتے جاتے وقت، گلی محلے میں کھیلتے وقت، گھر کے لئے کوئی چھوٹا موٹا سودا خریدتے وقت اس کو یہ احساس ضرور ہوتا کہ لوگ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اس کو بہت اچھا سمجھتے ہیں لیکن اچھا کیوں سمجھتے ہیں۔ اس کو دیکھ کر خوش کیوں ہوتے ہیں؟ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ لوگ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے تو وہ خوش ہوتا لیکن جب اس کے ذہن میں ایسے سوالات پیدا ہوتے تو اس کا ذہن کچھ بوجھل سا ہو جاتا۔

ایسے میں وہ اپنی والدہ کو گھیر لیتا اور ان سے اپنے سوالوں کے جواب طلب کرنے بیٹھ جاتا۔

گیلانی : "لوگ مجھ کو اچھا کیوں سمجھتے ہیں اور مجھ کر دیکھ کر خوش کیوں ہوتے ہیں؟"

امی : "اس لئے کہ اس قصبے کے لوگ بہت اچھے ہیں۔"

گیلانی : "اگر یہ لوگ اچھے ہیں تو دوسرے لڑکوں کے لئے کیوں اچھے نہیں ہیں؟ دوسرے لڑکوں کو تو وہ ذرا بھی نہیں پوچھتے۔"

امی : "اس لئے کہ تو خوب صورت بھی تو ہے۔"

گیلانی : "وہ راجا، دانی، بٹ اور پال تو مجھ سے بھی خوب صورت ہیں؟"

امی : "ہاں وہ بھی خوب صورت ہیں لیکن پڑھنے میں اچھے نہیں ہیں۔"

گیلانی : "میں پڑھنے میں اچھا ہوں؟"

امی : "ہاں بہت اچھا ہے، اسی لئے لوگ تیرا اتنا خیال کرتے ہیں۔"

گیلانی : "لیکن امی وہ محمود، افضال اور جواد تو مجھ سے اچھے ہیں۔ ہمیشہ اول، دوم اور سوم آتے ہیں۔ میں تو کبھی اول، دوم اور سوم بھی نہیں آیا۔"

امی : "وہ شرارتی بھی تو بہت ہیں۔"

گیلانی : "لیکن سب جانتے ہیں کہ میں ان سے زیادہ شرارتی ہوں۔"

امی : "بیٹا تو شرارتی تو ہے لیکن بدتمیز نہیں ہے۔"

گیلانی : "لیکن امی بدتمیز تو وہ بھی نہیں ہیں۔"

امی : "اچھا چھوڑ ان باتوں کو اور ابراہیم لودھی سے پاؤ بھر برفی لے آ۔"

گیلانی : "نہیں میں نہیں جاتا۔"

امی : "کیوں نہیں جاتا۔"

گیلانی : "ابراہیم پیسے نہیں لیتا اگر لیتا ہے تو پاؤ بھر کے پیسے لیتا ہے اور سیر بھر مٹھائی دے دیتا ہے۔"

امی : "لیکن ایسا کیوں کرتا ہے؟"

گیلانی : "معلوم نہیں امی، ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ مختار بیٹا یہ دکان تیری ہے جو چیز چاہے لے جا۔"

امی : "اچھا ابھی تو لے آ، پھر کسی اور کو بھیجا کروں گی۔"

مختار یہ سن کر برفی لینے چلا جاتا اور یہی سوچتا جاتا کہ معلوم نہیں اسے اپنے سوالوں کے جواب کب ملیں گے۔ امی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

اور اس کی امی اس سوچ میں گم ہو جاتی کہ وہ مختار کو ابھی کیسے بتا دے کہ گاؤں والے اس کو اپنی آنکھ کا تارا کیوں سمجھتے ہیں۔ یہ سب تو اس کے مرحوم ابا کا کیا دھرا ہے کہ لوگ مختار کو اتنا عزیز رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی وصیت کر گئے تھے کہ مختار کو اس وقت تک میرے بارے میں کچھ مت بتانا جب تک اپنی تعلیم مکمل نہ کر لے یا کم

از کم میٹرک نہ کرلے اور ابھی مختار تو صرف آٹھویں جماعت میں ہے۔

گاؤں کے لوگ مختار کو کیسا اچھا سمجھتے تھے اس کا تجربہ آئے دن مختار کو ہوتا رہتا تھا۔ ابراہیم لودھی اس کو سیر بھر مٹھائی دے کر بمشکل پاؤ بھر کے پیسے لیتا۔

اگر وہ کتابوں کی دکان کے پاس سے گزرتا اور اس کا مالک غلام حسن بٹ اس کو دیکھ لیتا تو روک لیتا اور روک کر کہتا کہ اس کے پاس بچوں کی کہانیوں کا نیا اسٹاک آیا ہے وہ اس میں سے اپنی پسند کی کہانیوں کی کتابیں چھانٹ کر لے جائے۔ مختار کو ایسا کرنا پڑتا۔

اگر رمضان، تانگے والا اس کو دیکھ لیتا تو تانگے میں بٹھا کر سیر کرائے بغیر نہیں رہتا تھا اور اس سے کہتا رہتا تھا کہ اگر کبھی آدھی رات کے وقت بھی تانگے کی ضرورت پڑ جائے تو فوراً میرے پاس چلے آنا۔

عبدل قلفی فروش اور حیات پکوڑوں والا بھی اس کو اپنا مہمان سمجھتے۔ البتہ عبدالکریم بٹ اس کو دیکھ کر افسوس کے ساتھ کہتا کہ مختار میری تو دکان پان بیڑی کی، سگریٹ کی ہے۔ سگریٹ اور بیڑی تو میں تم کو دے نہیں سکتا اور پان تم نہیں کھاتے۔ بتا میں کیا کروں؟

مختار اس کو نہیں بتاتا کہ وہ کیا کرے اور سلام کر کے چلا جاتا۔

گاؤں میں صرف اس کو اچھا سمجھنے والے ہی نہیں تھے دو چار ایسے بھی تھے جو اس سے خواہ مخواہ چڑتے تھے۔ ان میں ایک گاؤں کا نمبردار غلام نبی بخشی تھا جو اس کو دیکھتے ہی کہتا۔

"یہ نامراد یتیم کیا ہوا ہے کہ پورا گاؤں اس کا محافظ اور سرپرست ہو گیا ہے۔"

پریم ناتھ بزاز اور بالک رام بھی نمبردار بخشی کے ہم خیال تھے اور دبی زبان میں مختار کو کوسنے سناتے رہتے تھے۔ اونچی آواز میں بولنے کی ہمت تینوں میں نہیں تھی۔ گاؤں والے بھی ان تینوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے اس لئے کہ تینوں کشمیری حُریت پسندوں کے خلاف تھے۔

جس روز مختار کسی وجہ سے اسکول نہیں جا پاتا تھا تو چھٹی کے بعد دو تین اساتذہ اس کی خیر، خیریت پوچھنے کے لئے اس کے گھر آتے۔ اس کے ریاضی کے استاد غلام احمد تو ضرور ہی آتے اور اس کی والدہ سے کہتے کہ جس روز مختار اسکول نہیں آتا تو مجھے اسکول آکر بھی ایسے لگتا ہے جیسے میں اسکول میں نہیں آیا۔

مختار کی اسکول میں نہ صرف فیس معاف تھی بلکہ پچاس روپے مہینے وظیفہ بھی ملتا تھا۔ جس مکان میں وہ رہ رہا تھا وہ اس کا آبائی مکان تھا۔ اس کے والد رشید احمد گیلانی کی وفات کے بعد ایک مرتبہ شدید بارشوں کی وجہ سے وہ خاصا خستہ ہو گیا تھا جب گاؤں والوں کو اس کا علم ہوا تو سب نے مل جل کر چندہ جمع کر کے مکان مرمت کروا دیا تھا۔

سردیوں کی ایک رات تھی مختار احمد سویا ہوا تھا

کہ آدھی رات کے وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ خاصی تیز بارش ہو رہی ہے۔ بادل بھی خوب گرج رہے تھے۔ بجلی بھی چمک رہی تھی۔ اس وقت وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ اس کی امی اپنے بستر میں نہیں ہیں اور گھر میں چہل پہل سی ہے کہیں لالٹین جل رہی ہے اور کہیں آگ روشن ہے اور کچھ باتیں کرنے کی بھی آوازیں آ رہی ہیں۔

نیم خوابیدہ اور نیم بیدار مختار کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

اس نے کمبل لپیٹا اور اپنے کمرے سے باہر آ گیا اس نے دیکھا کہ اس کی والدہ، دو ماموں اور دو مہمان باورچی خانے کے قریب بیٹھے آگ تاپ رہے تھے اور ساتھ ہی قہوہ بھی پی رہے تھے۔

مہمانوں میں سے ایک تو شاہ حسن تھے جو کبھی کبھار ان کے ہاں آتے جاتے رہتے تھے لیکن دوسرے مہمان کو اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ سب مسلح تھے ایسا لگتا تھا کہ چاروں کہیں جا رہے تھے کہ بارش کی وجہ سے وہاں رک گئے تھے یا وہاں کچھ رک کر انہوں نے آگے جانا تھا۔

شاہ حسن بھی مختار سے بڑی محبت کرتے تھے انہوں نے مختار کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو سینے سے لگا لیا اور اپنے ساتھی سے کہا "خالد یہ مختار ہے، رشید احمد گیلانی کا بڑا بیٹا!"۔

یہ سن کر خالد نے بھی اٹھ کر مختار کو سینے سے لگا لیا۔

سب نے دیکھا کہ مختار احمد غنودگی کے عالم میں ہے اس کی والدہ نے کہا کہ وہ جا کر سو جائے۔

شاہ حسن اور اس کے ماموں نے کہا کہ وہ اپنی نیند خراب نہ کرے اور جا کر سو جائے۔

اس وقت غنودگی کے عالم میں مختار کے ذہن میں پھر وہی سوالات پیدا ہو گئے تھے۔

لوگ مجھ کو اتنا اچھا کیوں سمجھتے ہیں؟

لوگ میرا اتنا خیال کیوں کرتے ہیں؟

لوگ مجھ کو دیکھ کر اتنا خوش کیوں ہوتے ہیں؟

مختار: (شاہ حسن سے) "آپ مجھ کو ایک بات بتا دیں تو میں جا کر سو جاؤں گا ورنہ....."

شاہ حسن: "ورنہ کیا مختار!"

مختار: "ورنہ مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

شاہ حسن: "اچھا اگر یہ بات ہے تو بتاؤ کیا بات ہے؟"

مختار: "آپ اور سب لوگ مجھے اتنا اچھا کیوں سمجھتے ہیں؟"

شاہ حسن: "بس یہی بات ہے یا کچھ اور بھی؟"

مختار: "جی اور کچھ نہیں ہے۔"

شاہ حسن: "لوگ تم کو دیکھ کر اس لئے خوش ہوتے ہیں اور اس لئے اچھا سمجھتے ہیں کہ تم ایک شہید کے بیٹے ہو۔"

اورنگوٹان

ذہین اور پھرتیلا بن مانس

شیخ تاج محمد

بن مانس کی ایک نسل اورنگوٹان (QRANG-UTAN) کہلاتی ہے۔ اورنگوٹان کی جسامت عجیب و غریب ہوتی ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والے کی توجہ فوراً اس کی جانب مبذول ہو جاتی ہے۔ ایک مکمل جوان اورنگوٹان کا قد، ایک لمبے آدمی کے برابر ہوتا ہے جب کہ اس کا وزن تقریباً ۹۰ کلو گرام یا ۲۰۰ پونڈ ہوتا ہے۔ تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ بہت پہلے اورنگوٹان چین اور جاوا میں پائے جاتے تھے۔ اس وقت ان کا قد اور بھی زیادہ ہوتا تھا۔ لیکن اب اورنگوٹان صرف انڈونیشیا کے جزیروں، سماٹرا اور بورینو میں پائے جاتے ہیں۔

اپنے لمبے چوڑے قد کاٹھ کے باوجود یہ بن مانس درختوں کی چوٹیوں پر اس طرح گھومتے پھرتے ہیں جیسے اپنے گھر میں ٹہل رہے ہوں۔

لمبے بازوؤں اور مڑے ہوئے ہاتھ پیروں کی مدد سے یہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر باآسانی پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر فاصلہ زیادہ ہو تو چھلانگ بھی لگا سکتے ہیں۔ اورنگوٹان زمین پر بہت کم آتے ہیں لیکن ان میں سے بعض کو زمین پر آنا پڑتا ہے کیونکہ ان کا وزن اور جسامت بہت زیادہ ہوتی ہے اور زیادہ وزن کے سبب درختوں کی چوٹیوں پر سفر کرنا ان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔

پھرتیلے ہونے کے ساتھ ساتھ یہ اورنگوٹان ذہین بھی ہوتے ہیں اور ان ماہرین کے مطابق انسانی ذہن سے قریب ترین اگر کسی جانور کا ذہن ہوتا ہے تو وہ اورنگوٹان ہی ہے۔ ایک بار کوئی سیاح غلطی سے

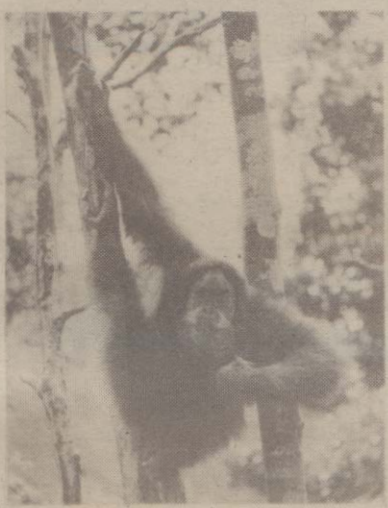

اورنگوٹان اونچے درخت کی چوٹی پر

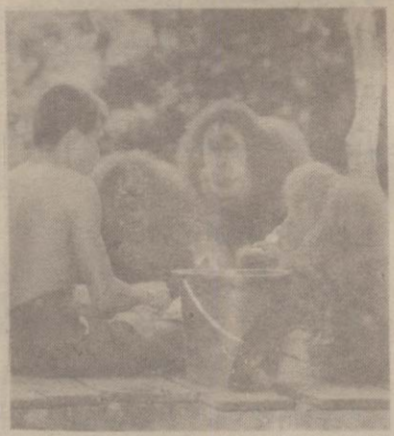

اپنا کیمرہ جنگل میں بھول گیا۔

یہ کیمرہ اورنگوٹان کے ہاتھ لگ گیا۔ جس طرح بچے تجسس کے ہاتھوں اپنے کھلونے توڑ کر ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس اورنگوٹان نے بھی یہی کیا۔ لیکن اس نے کیمرہ توڑا نہیں ...... بلکہ ...... مہارت کے ساتھ اس کے مختلف پرزے الگ کئے، دیکھا بھالا، مشاہدہ کیا اور جب محسوس کیا کہ کام کی چیز نہیں ہے تو آگے بڑھ گیا۔

اورنگوٹان پھل بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ پتے، جڑیں، چھوٹے پودے بھی کھاتے ہیں۔ پروٹین حاصل کرنے کے لئے کیڑے مکوڑے، چھپکلیاں پرندوں کے بچے اور انڈے بھی کھا جاتے ہیں۔

پھل دار درخت ڈھونڈنے کی اورنگوٹان میں خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ جنگل میں دور تک دیکھنا مشکل ہوتا ہے لیکن اورنگوٹان دور ہی سے تاڑ لیتے ہیں کہ کونسا درخت پھل والا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پھل خور پرندوں مثلاً طوطوں، کبوتر وغیرہ کی اڑان دیکھ کر بھی اندازہ لگاتے ہیں کہ پھل دار درخت کہاں ملیں گے۔ کسی اورنگوٹان کو اگر ایک بار اچھے پھل کا درخت مل جائے تو پھر وہ وہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتا۔ سارا سارا دن وہیں گزار دیتا ہے اور چند سو گز سے زیادہ دور نہیں جاتا۔

یہ اورنگوٹان اکیلے رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ اگر کسی درخت پر کچھ اورنگوٹان ساتھ نظر بھی

آجائیں تو وہ اپنی دنیا میں مگن ہوتے ہیں اور ان کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔

تاہم ماں اورنگوٹان اپنے بچے کو کافی عرصے تک ساتھ رکھتی ہے یہ مدت چھ برس تک بھی ہو سکتی ہے۔

دیگر جانوروں کی طرح، اورنگوٹان بھی شکاریوں کے عتاب کا شکار رہے ہیں۔ ظالم شکاری ماں اورنگوٹان کو مار کر ان سے ان کا بچہ چھین لیتے ہیں۔ بعض واقعات ایسے بھی پیش آئے ہیں کہ حاملہ اورنگوٹان کو مار کر ان کا پیٹ کاٹ کر بچے کو نکال لیا گیا۔ اور یہ بچے، امیر لوگوں کو بیچ دیئے جاتے ہیں جو انہیں امارت کی نشانی (STATUS SYMBOL) کے طور پر پالتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے عشرے میں حکومت نے اورنگوٹان کی حفاظت کے لئے مہم چلائی اور پالتو اورنگوٹان اپنے قبضے میں لے کر دوبارہ جنگل میں چھوڑ دیئے۔

لیکن پالتو اورنگوٹان کے لئے فوری طور پر جنگل کی زندگی گزارنا ایک مشکل امر ہے، اس لئے حکومت نے ان کے لئے خصوصی مرکز بنائے ہیں جہاں کچھ عرصے انہیں رکھا جاتا ہے۔ انہیں کیلے اور دودھ کی خوراک دی جاتی ہے اور انہیں روزانہ چند گھنٹوں کے لئے جنگل میں چھوڑا جاتا ہے۔ یہ مدت بتدریج بڑھائی جاتی ہے یہاں تک کہ پالتو اورنگوٹان دوبارہ جنگل میں رہنے کے قابل جاتا ہے۔

باسکٹ بال اور سماعت

کہتے ہیں کہ باسکٹ بال کا ایک کھلاڑی جب کھیل شروع کرتا ہے تو اس کی سماعت بہت اچھی طرح کام کر رہی ہوتی ہے لیکن کھیل کے اختتام پر قدرے متاثر ہوتی ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہلکی پھلکی ورزش سے سماعت بہتر ہو جاتی ہے لیکن اگر ورزش زیادہ ہو جائے تو کان اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی برتنے لگتے ہیں۔ یعنی سماعت عارضی طور پر متاثر ہو جاتی ہے۔

گائے سیلاب لا سکتی ہے؟

گائے بڑا مفید جانور ہے اس سے شاید کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ بہت سیدھے آدمیوں کو تو اللہ میاں کی گائے کا لقب دیا جاتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ گائے اپنی عادت کی وجہ سے بہت ٹیڑھی ثابت ہوتی ہے اور وہ عادت ہے "ڈکارنا"۔ جی ہاں! گائے کے ڈکارنے سے کرۂ ارض کا درجۂ حرارت مسلسل بڑھ رہا ہے اور ماہرین کہتے ہیں کہ درجۂ حرارت اگر زیادہ بڑھ جائے تو سیلاب آسکتا ہے کیونکہ گائے کافی مقدار میں ڈکارتے وقت "میتھین" گیس خارج کرتی ہے۔

(سید رضوان راحت۔ خانپور)

منزل بہ منزل، تازگی کا حامل!

احمد

ٹماٹو کیچپ

کیچپ کا اصل مزہ تو اس کی تازگی میں ہے۔ احمد ٹماٹو کیچپ ملک بھر میں سب سے زیادہ فروخت ہوتا ہے لہٰذا تازہ بتازہ آپ تک پہنچتا رہتا ہے۔ یوں بھی فارم سے صارفین تک پہنچنے میں احمد ٹماٹو کیچپ کو صرف عرصۂ تیاری درکار ہوتا ہے۔ تازگی کا یہ دعویٰ کسی اور کیچپ کے لیے ممکن نہیں۔

احمد ٹماٹو کیچپ کا نام — لذت اور تازگی کا پیغام

پہچانیے تو سہی!

اس شاندار جمنازیم میں چالیس
مزیدار کھیل کے سامان ہیں، آپ ان

امتحان ہے آپ کی ذہانت کا

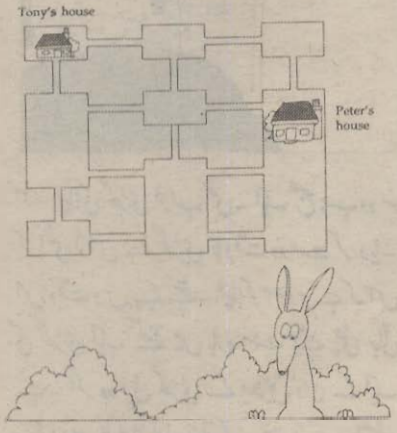

۱۔ پچھلی جمعرات کی بات ہے کہ ایاز کو کچھ خریدنے کے لئے سپر مارکیٹ جانا پڑا۔ اس کے پاس گیارہ روپے سے کچھ ہی زیادہ رقم تھی۔ اس نے تقریباً نو روپے کی خریداری کی۔ ریز گاری لینے کے بعد اسے ایک حیرت انگیز اتفاق کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے پاس اتنے پیسے بچے ہیں جتنے کہ وہ روپے گھر سے لے کر چلا تھا۔ اور اتنے روپے بچے ہیں جتنے کہ وہ پیسے گھر سے لایا تھا۔ آپ بتائیے کہ وہ کتنے روپے پیسے گھر سے لے کر چلا تھا؟

۲۔ ٹونی اپنے دوست پیٹر سے ملنا چاہتا ہے جس کا گھر چند گلیوں کے فاصلے پر ہے۔ اسے وہاں پہنچنے کے لئے کچھ چوک کراس کرنا پڑتے ہیں۔ تصویر کو دیکھتے ہوئے آپ بتائیے کہ اسے

(ا) کم از کم کتنے چوک کراس کرنے پڑیں گے؟

(ب) زیادہ سے زیادہ کتنے چوک کراس کرنے پڑیں گے؟

۳۔ لیلا کی گھڑی خراب تھی۔ ایک صبح جب وہ سو کر اٹھی تو اس نے گھڑی کا وقت درست کر دیا۔ اس وقت دس بجے تھے۔ لیلا کو معلوم ہے کہ اس کی گھڑی ایک گھنٹے میں بارہ منٹ پیچھے چلی جاتی ہے۔ اگر وہ اپنی گھڑی کے مطابق دن کے ایک بجے دوپہر کا کھانا کھائے تو آپ بتایئے کہ دراصل اس وقت کیا بجا ہو گا؟

۴۔ تجمل نے لکڑی کے ایک ٹکڑے کو دو حصوں میں کٹوانے کی مزدوری دو روپے ادا کی۔ اگر وہ اسی لکڑی کے ٹکڑے کو چار حصوں میں کٹوانا چاہے تو اسے کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی؟

گذشتہ ماہ کے سوالوں کے درست جوابات۔

۱۔ صرف چار افراد ۔۔۔ ایک بھائی، ایک بہن۔ بہن کا بیٹا، بھائی کی بیٹی، جن کی آپس میں شادی ہو چکی ہے۔

۲۔

۳۔ جاوید اور معین نے بالترتیب نقطۂ آغاز سے دس اور بیس کلو میٹر کے فاصلے پر گاڑی چھوڑی۔

۴۔ سات گاڑیاں ۔۔۔ فرض کیجئے سکھر سے گاڑی صبح کے آٹھ بجے روانہ ہوتی ہے، یہ گاڑی اسی وقت لودھراں سے آنے والی ایک گاڑی سے ملے گی جو کہ لودھراں سے صبح پانچ بجے روانہ ہوئی تھی اور اب آٹھ بجے (تین گھنٹے بعد) سکھر پہنچی ہے۔ ادھر سکھر سے روانہ ہونے والی گاڑی دن کے گیارہ

بجے لودھراں پہنچے گی۔ یوں یہ گاڑی ان تمام گاڑیوں سے رستے میں ملے گی جو لودھراں سے صبح پانچ سے گیارہ بجے کے درمیان روانہ ہوں گی اور ان گاڑیوں کی تعداد سات بنتی ہے۔

قرعہ اندازی کے ذریعے انعام حاصل کرنے والے خوش نصیب ساتھی :۔

قیصر اقبال ربانی، کراچی۔

بالکل درست جواب دینے والے ذہین ساتھی :۔

شاہد پرویز رانا، خوشاب۔ زبیر احمد خان، کراچی۔ رضوان احمد خان، کراچی۔

ایک غلطی کرنے والے ساتھی :۔

صائمہ کلیم، کراچی۔ آصف متین، کاشف متین، اسلام آباد۔ مبشر فیروز، کراچی۔ اسلمہ آصف حسن، کراچی۔ نعمان احمد خان، کراچی۔ صبغت اللہ احسن، سرگودھا۔ محمد ذیشان آغا، پاک پتن۔ مصحف رسول، کراچی۔ عرفان احمد شیخ، عثمان احمد شیخ، سلمان احمد شیخ، اسلام آباد۔

ایک سے زیادہ غلط جواب دینے والے ساتھی :۔

نعیم یوسف، کراچی۔ نعمان محمود کاشمیری، سوہدرہ۔ مشتاق علی، ٹنڈو محمد خان۔ سید راحت حسین نقوی، کراچی۔ احمر فرقان، ملتان۔ ریاض اسرار بیگ، کراچی۔ اداس رضا محمد رئیس، مکلی۔ محمد قدیر انڈیجر، پنو عاقل۔ منوج کمار بچانی، حیدر آباد۔ عبیدہ سید، کراچی۔ محمد راشد نقوی، کراچی۔ بسام وحید، کراچی۔ رباب ظہیر، کہکشاں ظہیر، مردان۔ لالہ رخ، مردان۔ سعدیہ مقبول، واجد فاروق، بھلوملہ۔ محمد وقاص سہیل، کراچی۔ کوثر پروین، کراچی۔ فرحین بدر، ملتان۔ محمد عاشق حسین نیازی، تلہ گنگ۔ سید سفیان کاکاخیل، اسلام آباد۔ سیدہ افشاں فرخ، کراچی۔ محمد انس قادری، کراچی۔ مہرین یٰسین، کراچی۔ سیما عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ زبیر احمد سومرو، گڈو۔ محمد کامران ایوب، کراچی۔ سارہ عارف، کراچی۔ انشٹی حسنات، کمالیہ۔ ابتسام ساجد، کمالیہ۔ راجہ محمد ندیم حیدر نسیم، سرگودھا۔ محمد عرفان ایاز، سرگودھا۔ ساجد کمالوی، کمالیہ۔ رب نواز کھٹی، بدین۔ فیاض حکیم، لاہور۔ نوشین

حکیم، لاہور۔ ثاقب حکیم حضروی، لاہور۔ فہد بقائی، کراچی۔ عمران شفیع، کراچی۔ ممتاز الدین احمد، کراچی۔ اشعر فواد، ملتان۔ عاصم رشید، ملتان۔ سمیر فاروق، ملتان۔ عبدالحفیظ کھوکھر، محمد شفیق کھوکھر، فیصل آباد۔ سبین اقبال، لاہور۔ عدیل رضا، تلہ گنگ۔ ہما کریم، کراچی۔ نوید فاروق، کھاریاں۔ محمد یوسف طاہر، پنڈی گھیب۔ طیب شاہ، کراچی۔ تحسین ریاض، سرگودھا۔ محمد ایوب منظر، لاہور۔ طاہرہ ہلال عنائت، پشاور۔ محمد اختر قریشی، نسیمہ اختر قریشی، محمد عظیم قریشی، ثنا اختر قریشی، محمد عمر قریشی، اسلام آباد۔ ذوالفقار احمد قریشی، لاہور۔ صابر بھمبرو، کراچی۔ ارشد عباس، چار سدہ۔ طیبہ افتخار، کراچی۔ طارق علی یوسفی، حیدر آباد۔ نجم السحر، راولپنڈی۔ محمد شاکر حسین، ٹنڈو الہ یار۔ ھما، کراچی۔ خیام افتخار، راولپنڈی۔ مصباح ارشاد، لاہور۔ راجکمار۔ جی۔ کھتری، عمر کوٹ۔ عبدالسلام، میرپور خاص۔ آمنہ نورین، رحیم یار خان۔ مستری اے ڈی رضا، ڈونگہ بونگہ ۔ محمد ظفراللہ ضیا، ساجدہ پروین، فیصل عمران ڈوگر، علی رضا، شہزاد محمود، رانا اسرار احمد خان، محمد شبیر صدیقی، کمالیہ۔ کاشف ایاز حیدر، سرگودھا۔ نواب علی پرہی، سانگھڑ۔ شبنم عقیل راجپوت، حیدر آباد۔ سنیل کمار، حیدر آباد۔ مرزا عنصر جاوید، کراچی۔ پرنس افضل شاہین، بہاولنگر۔ عثمان احمد، خوشاب۔ فہمینہ برڑو، مکلی۔ پرنس شہزاد رضا، فیصل آباد۔ بشریٰ صدیقہ، لبنیٰ سعدیہ۔ کراچی۔ محمد علی بلیدی، جیکب آباد۔

ماں کا دل

سلمان غزالی

ماں نے مضبوطی سے نعمان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور ہر چیز سے بے نیاز اسکول کی سمت چلی جارہی تھی۔ نعمان شرم کے مارے زمین میں گڑا جارہا تھا۔ جوں جوں اسکول قریب آتا جارہا تھا اس کی حالت غیر ہوتی جارہی تھی۔ اسے اپنے اِرد گرد موجود تمام نگاہیں اپنے جسم میں چُبھتی محسوس ہو رہی تھیں اور ہر ہنستا مسکراتا شخص اسے اپنے حال پر تماشائی نظر آرہا تھا جیسے سب اس کا مذاق اُڑا رہے ہوں۔ اسکول کے گیٹ کے پاس پہنچ کر ماں

نے اسے بستہ تھمایا اور روز انہ کی طرح خو
پیار کیا۔ نعمان کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا "تو
ہے۔" اس نے سوچا "ماں روز یوں پیار کرتی
جیسے مجھ سے سالوں کے لئے بچھڑ رہی ہو" ماں
جانے کے بعد نعمان روز انہ کی طرح نظر
جُھکائے ہوئے گراؤنڈ کے ایک خالی کونے کی طر
چل دیا۔ وہ اب کوئی بچہ نہیں رہا تھا بلکہ سیکنڈ
اسکول کا طالب علم تھا اور وہ خود کو سمجھدار تصور
تھا۔ اس کے ساتھ پڑھنے والے دوسرے

زیادہ تر امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے اور ان
ں سے بیشتر کو گاڑیاں چھوڑنے آتی تھیں۔
ے اسکول ویگن میں آتے تھے اور کئی بچے اپنی
ئیکل پر آتے تھے اور کچھ بچے جن کے گھر
یب تھے، وہ پیدل آتے تھے۔ وہ بھی کتنے پُر
تماد ہوتے تھے۔ بستے کندھے پر ڈالے بے فکری
ے ہنستے کھیلتے اکیلے آتے اور جاتے تھے۔ نعمان
وہ واحد لڑکا تھا جس کی ماں اس کے ساتھ سائے
طرح ہر وقت موجود رہتی تھی اور اس کے ساتھ
ابر تاؤ کرتی تھی جیسے وہ ابھی دودھ پیتا بچہ ہو۔
عدگی سے اسے اسکول چھوڑنے اور لینے آتی
ہاف ٹائم میں خود اس کے لئے کھانا لے کر
ں کہ وہ کہیں باہر سے کوئی چیز کھا کر بیمار نہ ہو
ئے۔ تمام لڑکوں کے پاس پیسے ہوتے اور وہ اپنی
نی کے ساتھ کینٹین سے اور باہر ٹھیلے والوں سے
ے پٹی چیزیں لے کر کھاتے جبکہ نعمان انہیں
رت سے دیکھتا رہتا۔ اوّل تو اس کے پاس پیسے
ہی ہوتے تھے اور اگر پیسے ہوتے بھی تو ماں اسے
قع ہی نہیں دیتی تھی۔ وہ بازار جاتا تو ماں اس کا
ر پکڑے رہتی، کھیلنے جاتا تو جب تک وہ کھیلتا
ا، ماں گراؤنڈ کے ایک طرف بیٹھ کر اسے دیکھتی
ی اور اگر کبھی وہ تنگ آکر ماں سے شکایت
ایا اسے بتانے کی کوشش کرتا کہ اب وہ بڑا ہو گیا
اور اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے اور اسے یوں ہر
ماں کے پہلو سے چپکے رہنے سے خفّت محسوس
ہے تو ماں فوراً لیکچر شروع کر دیتی

"ارے! ہم دونوں کا ایک دوسرے کے سوا اس دنیا میں ہے ہی کون؟ ابھی تو اپنے باپ کو پہچاننے کے قابل بھی نہیں ہوا تھا کہ تیرا باپ مر گیا۔ مشکل میں سب رشتے دار بھی ساتھ چھوڑ گئے اور اگر کسی نے میرا ہاتھ پکڑنا چاہا بھی تو تو تیری خاطر میں نے کسی کا سہارا قبول نہیں کیا۔ دن رات محنت کر کے تجھے پالا ہے۔ اپنی حیثیت سے بڑے اسکول میں داخل کروایا تاکہ تو بڑا آدمی بن سکے۔ میری واحد دولت تو ہے۔ میں کیوں نہ تیرا خیال رکھوں؟ کیسے تجھے نظروں سے اوجھل ہونے دوں۔" اتنا کہہ کر ماں اسے اور زور سے باہوں میں بھر کر بھینچتی اور نعمان کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا اور وہ غصّے کے مارے پیچ و تاب کھا کر رہ جاتا "بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے خیال رکھنے کا۔ باقی لڑکوں کی مائیں بھی ان کا خیال رکھتی تھیں، ان کی ہر ضرورت پوری کرتی تھیں۔ جائز یا ناجائز.....۔ اس کے ساتھ انہیں کتنی آزادی ہے، کتنا اعتماد ہے ان میں۔" وہ سوچتا اور دل ہی دل میں کُڑھتا اور کبھی کبھی ماں سے اُلٹا سیدھا بول کر رُوٹھ جاتا تو ماں اسے گھنٹوں مناتی، پیار کرتی مگر اپنی ڈگر سے ایک انچ اِدھر اُدھر نہ ہوتی۔

"نعمان" طارق کی آواز نے نعمان کو چونکا دیا جو گراؤنڈ کے ایک کونے میں سر جُھکائے بیٹھا تھا اور ہمیشہ کی طرح اپنے اور ماں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ نعمان نے سر اُٹھا کر سامنے دیکھا۔ طارق اسی کی طرف آرہا تھا "کیسے ہو نعمان؟"

طارق نے پاس آکر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہوں طارق!" "جو ہم نے اسکیٹ بورڈ دیکھا تھا نا وہ کل، میں نے خرید لیا ہے۔"

"واقعی!" اسکیٹ بورڈ کا سُن کر نعمان کی آنکھوں میں چمک اُبھر آئی جو صرف چند لمحوں کے لئے تھی۔ اس کے بعد ان سے حسرت جھلکنے لگی۔ اسے یاد آگیا تھا کہ جب پہلی دفعہ اس نے ایک لڑکے کو اسکیٹ بورڈ پر دیکھا تھا تو اسے کتنا اچھا لگا تھا اور جس طرح وہ ایک پاؤں اسکیٹ بورڈ پر رکھ کر دوسرے پاؤں سے رفتار تیز کرتے ہوئے پھر دوسرا پاؤں بھی بورڈ پر رکھ لیتا تھا اور اسکیٹ بورڈ اپنے پہیوں پر تیزی سے آگے بڑھتا جاتا تھا تو اس کے دل میں کس قدر شدید خواہش پیدا ہوتی تھی اسے حاصل کرنے کی، اسے استعمال کرنے کی مگر ماں نے اسکیٹ بورڈ لے کر دینے سے صاف اِنکار کر دیا تھا۔ بلکہ اس سے کھیلنے سے ہی سختی سے منع کر دیا تھا اس کے خیال میں یہ بہت خطرناک کھیل تھا جس میں نعمان کو چوٹ لگ سکتی تھی۔ کس قدر منت سماجت کی تھی اس نے ماں کی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تھی۔ "کس سوچ میں ڈوب گئے؟" طارق نے نعمان کو ٹہوکا دیا اور اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولا "یہ دیکھو!" ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک چھوٹے سائز کا اسکیٹ بورڈ تھا جو طارق کے بڑے بیگ میں بآسانی سما گیا تھا۔ "ارے!"

نعمان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اس نے وہ طارق کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ "کس قدر خوبصورت ہے۔" نعمان نے سوچا "تمہاری امی نے تمہیں منع نہیں کیا یہ لینے سے؟" نعمان نے طارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں منع کیا کرنا تھا انہوں نے، پوچھا بھی نہیں کہ میں کیا لینا چاہتا ہوں۔ بس روپے نکال کر دے دیئے اور کہا کہ خود لے لو۔ وہ اتنی سوشل ہیں کہ ان کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ کہیں جاسکیں یا میری پسند ناپسند پوچھ سکیں۔" آخری جملہ کہتے ہوئے طارق کے لہجے میں شکایت تھی جو نعمان کو بہت عجیب لگی۔ "آخر ایسی ماں سے کس کو کیا شکایت ہو سکتی ہے جو بچے کی ہر خواہش پوری کرے، اسے کھلی آزادی دے اور اسے اس کے حال میں مگن رہنے دے" نعمان سوچنے لگا۔ پھر اسمبلی کی گھنٹی نے اسے چونکا دیا۔ طارق نے اسکیٹ بورڈ نعمان کے ہاتھ سے لے کر دوبارہ بیگ میں رکھ لیا اور یہ کہتا ہوا اسمبلی ہال کی طرف چل دیا کہ ہاف ٹائم میں پھر ملیں گے۔ نعمان نے بھی بیگ اٹھایا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔

طارق نعمان سے بڑا تھا اور سینئر بھی۔ وہ اسکول کی سب سے سینئر کلاس میں پڑھتا تھا۔ اس کا تعلق ایک امیر گھرانے سے تھا جہاں پر کبھی اسے کسی چیز کے قیمتی ہونے کا احساس ہی نہیں ہونے دیا گیا تھا۔ وہ خود سادگی پسند تھا۔

سلجھے ہوئے ذہن اور اچھی عادتوں کا مالک۔ اس نے نعمان کو اپنا چھوٹا بھائی بنا رکھا تھا اور اس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ وہ واحد لڑکا تھا جسے اسکول میں نعمان اپنا دوست سمجھتا تھا اور جس کے گھر جانے کی اور اس کے ساتھ کھیلنے کی اجازت اسے ماں سے بھی مل جاتی تھی۔

طارق کے علاوہ اگر کوئی ایسی شخصیت تھی جس کے ساتھ نعمان کھل کر بات کر لیتا تھا اور اپنے دل کی بات کہہ لیتا تھا تو وہ میڈم ماریہ تھی جو بہت پیسے والی تھیں۔ ان کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے مگر ان کی کوئی اولاد نہ تھی شاید یہی وجہ تھی کہ وہ بچوں کو اسکول میں پڑھا کر اپنی ممتا کی تسکین کی کوشش کرتی تھیں۔

نعمان کی ماں میڈم ماریہ کے گھر کام کرتی تھی اور کبھی کبھی نعمان بھی ماں کے ساتھ ان کے گھر چلا جاتا تھا۔ نعمان کا دوسرے لڑکوں سے الگ تھلگ رہنا، کم گو اور شرمیلا ہونا انہیں اچھا لگتا۔ وہ اس کو اپنے گھر لے جاتیں۔ کھلونے لے کر دیتیں کھانے کے لئے چاکلیٹ اور دوسری چیزیں دیتی تھیں مگر ماں اسے بہت کم اجازت دیتی تھی میڈم کے گھر جانے کی۔ وہ جب بھی میڈم کے گھر جاتا تو بڑی خوشی اور مسرت سے ہر چیز کو دیکھتا۔ کتنا خوبصورت بنگلہ تھا اور کتنی بے شمار چیزیں تھیں اس میں۔ کبھی کبھی میڈم ماریہ پیار سے پوچھتیں "میرے ساتھ رہو گے؟۔ میرے بیٹے بنو گے؟؟" تو وہ یہی سوچ کر رہ جاتا کہ کون ہو گا جو اتنے شاندار مکان اور اتنی اچھی میڈم کے ساتھ نہیں رہنا چاہے گا۔ "کاش! میں واقعی میڈم کے ساتھ رہ سکوں۔ مگر وہ جانتا تھا کہ ماں کی موجودگی میں ایسا ہرگز ممکن نہیں۔ وہ تو اسے ایک پل کے لئے جدا کرنا گوارہ نہیں کرتی تھی نہ کہ اسے کسی اور کے ساتھ رہنے کی اجازت دیتی اور پھر جیسے ہی ماں کا خیال ذہن میں آتا تو جیسے اس کے منہ کا ذائقہ تلخ ہو جاتا۔ وہ سوچتا کہ خدا کا کیسا انصاف ہے کہ میڈم ماریہ جیسی پیار کرنے والی اور اچھی عورت جس کے پاس دنیا کی ہر نعمت موجود ہے وہ اولاد سے محروم ہے اور ماں جیسی مفلوک الحال عورت کے گھر مجھے پیدا کر دیا جو مجھے کسی طرح بھی خوش نہیں رہنے دیتی۔

نعمان کو حقیقت کا علم نہیں تھا مگر لوگوں کے منہ سے اس نے بات سنی تھی کہ ایک دفعہ میڈم ماریہ نے نعمان کی ماں سے بات کی تھی نعمان کو اپنانے کی مگر ماں نے سختی سے منع کر دیا تھا۔ یہ بات طارق نے بھی نعمان کو بتائی تھی اور یہ سن کر اسے ماں پر بڑا غصہ آیا تھا۔

اور پھر ایک دن اسکول سے گھر آنے کے بعد نعمان نے ماں کے رویئے میں کچھ تبدیلی محسوس کی۔ وہ کام پر بھی نہیں گئی تھی اور کچھ پریشان سی لگ رہی تھی۔ ماں کبھی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگتی اور کبھی بیٹھ کر کسی سوچ میں ڈوب جاتی۔ نعمان نے محسوس کیا مگر کوئی بات نہیں کی اور خاموشی سے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ وہ روزانہ

اسکول سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتا تھا اور پھر اُٹھ کر اسکول کا کام کرتا تھا تب تک ماں کام سے واپس آجاتی تھی اور اس کے بعد وہ روز آنہ کی طرح کھیلنے کے لئے باہر چلا جاتا تھا۔ اس دن وہ آرام کرنے کے بعد اسکول کا کام کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ ایک لڑکے نے آکر بتایا کہ طارق کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ ابھی ہسپتال سے پٹی کروا کر واپس گھر آیا ہے۔ طارق کے ایکسیڈنٹ کا سن کر نعمان بے چین ہو گیا۔ وہ سیدھا ماں کے پاس آیا "ماں! وہ طارق بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں ان کو دیکھ آؤں۔ جلدی واپس آجاؤں گا" نعمان نے جھجھکتے ہوئے پوچھا۔ اسے اُمید نہیں تھی کہ ماں اجازت دے گی مگر اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا جب ماں نے بغیر کچھ پوچھے اسے اکیلے جانے کی اجازت دے دی۔ طارق کا گھر زیادہ دور نہیں تھا جس کچی بستی میں نعمان رہتا تھا وہ اس سوسائٹی کے بالکل پیچھے تھی جس میں طارق کا گھر تھا اور نعمان کا اسکول بھی تھا۔ نعمان ماں کے رویئے سے حیران بھی تھا اور خوش بھی۔ بہرحال اسے طارق بھائی سے ملنے کی جلدی تھی۔ وہ فوراً تیار ہو گیا۔ ماں گھر کے دروازے پر کھڑی نعمان کو گلی کا موڑ مڑتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتی رہی اور پھر اندر مڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے جنہیں نعمان جاتے وقت نہیں دیکھ سکا تھا۔

جب وہ طارق کے پاس پہنچا تو طارق اپنے کمرے میں اکیلا بستر پر تکیوں کے سہارے نیم دراز کوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ملازم کے ہمراہ نعمان اندر داخل ہوا تو طارق کے منہ سے بے ساختہ نکلا "ارے نعمان تم!" پھر اس نے ملازم کو اشارہ کیا اور ملازم دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ نعمان طارق کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ طارق کی دائیں ٹانگ پر پٹی بندھی ہوئی تھی ۔ اور بازو اور چہرے پر خراشیں نظر آرہی تھیں۔

"یہ سب کیسے ہوا طارق بھائی؟" نعمان نے سوالیہ نظروں سے طارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ نہیں دراصل میں فٹ پاتھ پر اسکیٹ بورڈ سے کھیلتے ہوئے پھسل گیا اور ایک موٹر سائیکل سے ٹکرا گیا۔ معمولی چوٹیں آئی ہیں، جلد ٹھیک ہو جاؤں گا۔ تم بتاؤ تم یہاں کیسے؟ تمہیں کس نے بتایا میرے بارے میں؟؟" طارق نے سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ آپ کے ڈرائیور کا بیٹا ہے نہ راشد، اس نے بتایا تھا۔ میں فوراً گیا ماں کے پاس، شکر ہے انہوں نے اجازت دے دی ورنہ تو آپ کو پتہ ہے ....." ماں کا ذکر کرتے ہوئے نعمان کا منہ بن گیا۔

"ارے ایسی کوئی بات نہیں نعمان! تمہاری امی ایک بہت اچھی عورت اور شفیق ماں ہے۔" طارق نے نعمان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور

پر پوچھا "اچھا یہ بتاؤ کہ آج میڈم ماریہ تمہارے گھر آئی تھیں؟"

"میڈم ماریہ اور ہمارے گھر!!" نعمان نے حیرت سے طارق کی طرف دیکھا "مگر کس لئے؟"

وہ ....." طارق کہتے کہتے رُکا اور پھر جیسے نہ چاہتے ہوئے کہہ گیا "وہ تمہاری ماں سے بات کرنا چاہتی ہیں تمہیں اپنانے کے لئے۔" نعمان جانتا تھا کہ طارق کی فیملی کے میڈم ماریہ کی فیملی کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات ہیں۔ طارق کی بات سنتے ہی نعمان کے ذہن میں دھماکہ سے ہوا۔ اسے سمجھ آگئی کہ ماں کیوں پریشان تھی۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا "اچھا طارق بھائی! میں چلتا ہوں۔" یہ کہتا ہوا وہ تیزی سے باہر نکل گیا اور طارق اسے پکارتا ہی رہ گیا "ماں ضرور میڈم ماریہ کو دھتکار دے گی۔ میڈم کے ساتھ رہنے سے میری زندگی تبدیل ہو سکتی ہے۔ میری تمام خواہشیں پوری ہو سکتی ہیں اور پھر اس گھٹن زدہ ماحول سے مجھے آزادی مل جائے گی۔" نعمان سوچتا جارہا تھا اور الجھتا جارہا تھا "مگر ماں کبھی راضی نہیں ہوگی۔

وہ ساری زندگی اپنی تاریک دنیا میں مجھے بھی قید رکھنا چاہتی ہے وہ خود پستیوں میں رہتی ہے اور مجھے بلندی کی طرف جانے نہیں دے گی..... مگر مجھے یہ موقعہ پھر نہیں ملے گا میں ماں کی خود غرضی اور فرسودہ سوچ کی بھینٹ نہیں چڑھوں گا۔" وہ جیسے کسی اہم فیصلے پر پہنچ گیا۔

نعمان نے گھر کے دروازے پر قدم رکھا تو ٹھٹھک کر رہ گیا! اندر کمرے سے ماں کی آواز آ رہی تھی "دیکھیں بیگم صاحبہ! جب نعمان کے والد کی وفات ہوئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ میں نعمان کے لئے جیئوں گی۔ میں نے نعمان کو اپنی زندگی کا مقصد اور سرمایہ سمجھا۔ اس کے لئے میں نے خود غرض رشتے داروں سے منہ موڑا، معاشرے سے جنگ لڑی کسی کا سہارا قبول نہیں کیا کہ نعمان کی حق تلفی نہ ہو جائے۔ اس کے حصے کا پیار نہ بٹ جائے۔ ایسے میں میں کیسے اسے خود سے جدا کردوں میں جانتی ہوں کہ خود میرا بیٹا مجھ سے ناراض رہتا ہے۔ کہتا ہے زمانہ بدل گیا ہے، قدریں بدل گئی ہیں لیکن میں اسے کیسے بتاؤں کہ زمانہ بدل جاتا ہے، طور طریقے بدل جاتے ہیں لوگ بدل جاتے ہیں مگر ماں نہیں بدل سکتی۔" اتنا کہہ کر ماں چپ ہو گئی۔ کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ نعمان نے نیم وا دروازے سے اندر جھانکا۔ میڈم ماریہ ماں کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھیں۔ ماں کے رخسار بھیگے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ بولی تو یوں لگا جیسے آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔ ماں کہہ رہی تھی "مگر اب میں محسوس کرتی ہوں کہ اس ماڈرن دوڑ میں جیسے ماں تھک گئی ہے، پیچھے رہ گئی ہے۔ اب وقت بہت مشکل آ گیا ہے۔ دو مہینے سے میں نعمان کی فیس نہیں دے سکی۔ جس کی محبت اور بہتری کے لئے میں یہ سب کر رہی ہوں اگر وہی

خوش نہیں تو پھر کیا فائدہ میری محنت اور محبت کا" ماں کی آواز رندھ گئی۔ "اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ نعمان آپ کے ساتھ چلا جائے۔ اس طرح اسے زندگی کی سہولتیں تو مل جائیں گی۔ وہ آپ کے بنگلے میں بہت خوش رہے گا اور میرا مقصد تو اسے خوش اور کامیاب دیکھنا ہے چاہے وہ میرے پاس رہے یا دور۔" آخری الفاظ ماں نے بڑی مشکل سے ادا کئے تھے۔

نعمان کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے آج پہلی دفعہ ماں کو پہچانا ہو۔ اسے پتہ چلا کہ ماں کا دل کتنا بڑا ہے۔ ایک لمحے کے لئے اس نے کچھ سوچا اور ایک دم کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر اس نے میڈم ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میڈم!

آپ نے میری تو رائے لی نہیں!!"

"میڈم ماریہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ ہڑبڑا کر بولیں "ہاں ہاں تم بھی اپنی رائے دو"

میڈم! آپ کو مجھ جیسے بیٹے بہت مل جائیں گے۔

لیکن مجھے ایسی ماں کہاں سے ملے گی؟ "اتنا کہہ کر نعمان تیزی سے مڑا اور بھاگ کر ماں کی آغوش میں گر گیا۔

"آپ جا سکتی ہیں مس ماریہ میں ماں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔" بھرائی ہوئی آواز میں گردن اٹھا کر نعمان نے کہا پھر ماں کے سینے سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

اور مٹھو اُڑ گیا

تسکین زیدی

ثنا اداس نظروں سے ویران پنجرے کو کافی دیر سے تک رہی تھی۔ اس پنجرے میں کبھی اس کا مٹھو برا جمان رہتا تھا جو اس سے جدا ہو گیا تھا اور اس کی زندگی کو اداس کر گیا تھا۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔ دن بھر ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ بس اتنی دیر ہی دونوں الگ رہتے جب ثنا اسکول چلی جاتی۔ اس کے اسکول جانے کے بعد مٹھو اسے یاد کرنے لگتا۔ "ثنا! بی بی...... ثنا بی بی ...... اسکول سے جلدی آؤ ...... جلدی آؤ"۔

اور جب وہ اسکول سے آجاتی تو اسے دیکھ کر چہکنے لگتا۔ "آگئی ثنا ...... آگئی ...... ثنا بی بی...... ہمارے لئے کیا لائی"؟

اور ثنا کبھی امرود کبھی کیلے کے ٹکڑے اس کی طرف پیار سے بڑھا دیتی۔

مٹھو خوش ہو کر کہتا "شکریہ ...... شکریہ ...... تھینک یو"۔

اور ثنا کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر جاتی۔

افسوس کہ آج ثنا اس کی مد بھری آواز سے محروم ہو گئی ہے۔اس نے دو دن سے نہ کچھ

کھایا ہے نہ پیا ہے بس اس کی یاد میں ہر وقت گم سُم پڑی رہتی ہے اور اسکی واپسی کے لئے دعا کرتی رہتی ہے۔ ہر وقت مٹھو کی بھولی بھالی صورت اسکی نظروں میں گھومتی رہتی ہے۔ کل خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ اپنے پنجرے میں واپس آگیا ہے تو وہ خوشی سے جھوم اٹھی مگر صبح اٹھتے ہی جب اس نے اُمید بھری نظروں سے پنجرے کو دیکھا تو وہ ویران پڑا تھا تب ثنا اتنا روئی کہ اس کی ہچکی بندھ گئی اور اسے احساس ہوا کہ خواب کی باتیں سچ نہیں ہوتیں۔

اس کا مٹھو بہت خوبصورت تھا۔ اس کے گہرے ہرے رنگ کے پر، نوکیلی سرخ چونچ اور گلے میں کالا کنٹھا سب کو اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔ وہ بڑا سمجھدار اور چالاک تھا۔ جب کوئی نووارد گھر میں آتا تو اسے غور سے دیکھنے لگتا اور اس کی ہر حرکت پر دھیان دیتا تھا۔ کبھی کوئی غلط آدمی گھر میں آجاتا تو اسے دیکھ کر شور مچا دیتا تھا جیسے پوچھ رہا ہو "تم کون ہو..... کیوں آئے ہو"؟ اس طرح گھر والے چونک جاتے تھے۔ سب سے زیادہ چڑ اُسے مہترانی سے تھی۔ اسے دیکھتے ہی شور مچانے لگتا۔

"آگئی ..... آگئی ..... بھنگن۔ کمینی"۔

"چپ کمینے! میرے آتے ہی شور مچانے لگتا ہے جیسے میں اس گھر کی دولت اٹھائے لئے جا رہی ہوں"۔ وہ جل کر کہنے لگتی۔

آج ثنا کو مٹھو کی ایک ایک بات اور ایک ایک حرکت یاد آرہی تھی۔ ثنا کی دادی کہتی تھیں کہ طوطا بڑا بے وفا ہوتا ہے اگر ایک بار پنجرے سے آزاد ہو جائے تو دوبارہ اس گھر کی طرف رخ نہیں کرتا۔ کتا، بلی اور کبوتر تو جا کر پلٹ بھی آتے ہیں مگر طوطا تو کبھی کسی کا وفادار نہیں ہوا ہے۔ اسی لئے بے مروت اور بے وفا لوگوں کو اکثر لوگ طنز سے طوطا چشم کہہ دیتے ہیں۔

ثنا کے مٹھو کی پڑوس کے شیزی کی پُوسی سے کبھی نہیں بنتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر غصے سے غُرانے لگتے تھے۔ پوسی کو اچانک آتا دیکھ کر مٹھو شور کرنے لگتا۔ "آگئی بلی خالہ ..... ثنا بی بی آؤ۔ پوسی کو بھگاؤ"۔ ڈانٹنے لگتا۔ ثنا ڈنڈا لے کر دوڑ پڑتی اور پُوسی دُم دبا کر بھاگ جاتی۔

ایک دن کا واقعہ ثنا کو پھر یاد آیا۔ جب گرمیوں کی ایک دوپہر میں سب سو رہے تھے۔ اتفاق سے دروازہ کھلا رہ گیا اور پوسی جو ہمیشہ کی طرح موقع کی تلاش میں رہتی تھی دبے قدموں سے مٹھو کے پنجرے تک پہنچ گئی۔ اس وقت مٹھو میاں آرام سے انتا غفیل میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے۔ پوسی نے آہستگی سے اور قریب آکر اپنا وار کر دیا پھر اس کے پروں کو اپنے نوکیلے پنجوں سے کھینچنا چاہا۔ اچانک مٹھو نے پوسی کی بُو سونگھی تو اس کی آنکھ کھل گئی اور اسے احساس ہوگیا کہ پوسی اس پر حملہ آور ہو گئی

ہے۔ جواب میں اس نے پلٹ کر اپنی نوکیلی چونچ سے ایسا زور دار وار اس پر کیا کہ وہ بھی چیخ پڑی۔ دونوں کی چیخ و پکار سن کر ثنا دوڑی ہوئی قریب آگئی۔ اسے دیکھتے ہی پوسی بھاگ کھڑی ہوئی اور مٹھو اپنی زبان میں ثنا سے پوسی کی شکایت کرنے لگا۔

"ثنا بی بی! پوسی نے مجھے مارا۔ تم کہاں تھیں؟ دیکھو اس نے میری کیا حالت بنا دی ہے"۔ ثنا نے دیکھا مٹھو گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی زبان بار بار چونچ سے باہر آرہی تھی۔ اور پروں سے لال لال خون بہہ رہا تھا۔ ثنا اسے اس حالت میں دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گئی اور ہچکیوں سے رونے لگی۔ پھر ممی کے پاس آکر ڈوبتے لہجہ میں بولی۔

"ممی! ڈاکٹر انکل کو بلایئے۔ مٹھو کو پوسی نے زخمی کر دیا ہے دیکھئے کیسا خون اس کے پروں سے بہہ رہا ہے"۔

ممی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔ "ڈاکٹر صاحب کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی اس کے ہلدی لگائے دیتی ہوں۔ تھوڑی دیر میں زخم بھر جائے گا"۔

اور ممی نے اپنی دیسی دوا اس کے جسم پر لگا دی تھی۔ جب تک مٹھو کا زخم بھر نہیں گیا، ثنا نے اس کی خوب دیکھ بھال کی۔ اسی دن سے مٹھو چپ چاپ سا رہنے لگا تھا۔ اسے گم سم دیکھ کر ثنا اداس ہو جاتی تھی۔ اب ثنا اس کی ہر وقت نگرانی رکھنے لگی تھی اور اس نے پوسی کو خوب کوسنے دیئے تھے۔

"مرجائے کمینی، بدتمیز، چڑیل ..... تجھے کتا چبائے"۔

اور اس نے پڑوسی ڈاکٹر انکل سے جا کر اس کی شکایت بھی کی تھی۔

"ڈاکٹر انکل! آپ کی بلی بہت خراب ہے۔ ہر وقت میرے مٹھو کو ستاتی رہتی ہے۔ کل اس نے مٹھو کو بہت زخمی کر دیا۔ آپ اسے سزا دیجئے اور رسی سے باندھ کر رکھئے"۔

وہ ہنس کر بولے۔ "تم پریشان نہ ہو اسے ڈانٹ دوں گا اور شیزی سے کہہ کر اس کے گلے میں پٹہ ڈلوا دوں گا۔ اب وہ تمہارے مٹھو کو پریشان نہیں کرے گی"۔

ڈاکٹر انکل کے دلاسہ دینے پر ثنا کو کچھ اطمینان ہوا تھا مگر پوسی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ وہ اتنی شریر تھی کہ روز ہی گھوم پھر کر ایک دو چکر ضرور لگا جاتی اور ہمیشہ اس تاک میں رہتی کہ موقع ملے اور وہ مٹھو کو ہضم کر جائے۔

انکل کے شیزی سے اسکی گہری دوستی تھی مگر اس پوسی کے سبب اس سے کٹی ہو گئی اور ایک دن دونوں میں جھگڑا بھی ہو گیا۔

"دیکھو شیزی! اپنی پوسی کو زنجیر میں باندھ کر رکھو۔ ہر وقت پوسی کو کھلا رکھتے ہو، اب اگر اس نے میرے مٹھو پر حملہ کیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ میں تمہارا سر توڑ دوں گی اور تمہاری پوسی کو کسی خونخوار کتے کے حوالے کر دوں گی۔

پھر شیزی نے بھی غصے بھرے لہجے میں جواب

دیا تھا۔ "دیکھو ثنا! اگر میری پوسی کو تم نے ہاتھ بھی لگایا تو اچھا نہ ہوگا۔ وہ تو بڑی سیدھی سادی ہے تمہارا مٹھو ہی اسے چھیڑتا رہتا ہے۔ اسے دیکھتے ہی شور مچانے لگتا ہے بھلا یہ کون سی شرافت ہے ؟" پھر دونوں ایک دوسرے پر الزام رکھنے لگتے۔ ان کو جھگڑتے ہوئے دیکھ کر ثنا کی ممی نے سمجھا بجھا کر معاملہ رفع دفع کرا دیا تھا۔

اسد بھی اسے تنگ کرنے اور چھیڑنے کو نئی نئی ترکیبیں سوچتا رہتا۔

"ثنا بی بی ..... ثنا بی بی ..... میں یہاں ہوں"۔ قریب سے آتی اس آواز نے ثنا کو چونکا دیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ کوئی نہیں تھا۔ دور مٹھو کا پنجریوں ہی سونا پڑا ہوا تھا۔ اس کے ذہن نے سوال کیا،

"یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟" ایک بار پھر اس نے کمرے کی ایک ایک چیز کو بغور دیکھا پھر اس کی نظر پاس رکھے ٹیپ ریکارڈر پر پڑ گئی..... تو اسے یاد آیا کہ ایک بار اسد نے شرارت سے مٹھو کی آواز ٹیپ کر لی تھی۔ اس ڈر سے کہ اگر مٹھو میاں کسی دن موقع پاکر اڑ گئے تو اسی آواز سے ثنا کو بہلایا جا سکے گا۔

اکثر مٹھو بھی ٹیپ کی اس آواز سے چونک کر کسی مٹھو کی موجودگی کا احساس کرنے لگتا تھا تب اسکی حیرانی لائقِ دید ہوتی تھی۔

ثنا کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس سالگرہ پر کافی ہنگامہ رہا تھا۔ اس کی سہیلیوں نے اس کے مٹھو کی شادی شازیہ کی طوطی سے رچادی تھی۔ کئی دن تک وہ طوطی مٹھو کے پنجرے میں رکھی گئی جسے پھول پتیوں سے سجا دیا گیا تھا۔ دونوں نے ایک دن تو خوب چیخ پکار کی۔ ایسا لگا جیسے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہوں مگر دوسرے ہی دن سے وہ چونچ سے چونچ ملا کر پیار و محبت کی باتیں کرنے میں مشغول ہو گئے تھے۔

مٹھو سے جب ثنا پوچھتی۔ "تمہاری شادی ہوگئی کیا؟"

وہ چہکنے لگتا۔ "ہاں شادی ہوگئی۔ ثنا بی بی ہماری شادی ہوگئی"۔

اور یہ سن کر ثنا خوشی سے جھوم جاتی تھی۔

ہفتہ بھر بعد وہ طوطی موقع پاتے ہی پھُر سے اڑ گئی۔ اس کی جدائی سے مٹھو کئی دن تک اداس رہا۔ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں۔ بس ایک ٹک آسمان کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ شاید اسے اپنی طوطی کے واپس آنے کا انتظار تھا۔

جب ثنا پوچھتی۔ "مٹھو! تمہاری طوطی کہاں ہے ؟"

تو وہ چیخ چیخ کر کہنے لگتا۔ "وہ بھاگ گئی..... وہ بھاگ گئی"۔

مٹھو کے بھاگنے کی بھی عجیب کہانی ہے۔ ہوا یوں کہ اسد نے مٹھو کا پنجرہ صاف کرنے کے لئے دیوار پر رکھا۔ مٹھو کے اڑ جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ اسکے پر ابھی ہفتہ بھر پہلے ہی ممی نے تراشے تھے مگر وہ بھی بڑا چالاک نکلا۔ اس نے

پنجرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا دیکھ کر اپنی نوکیلی چونچ سے آہستہ آہستہ پورا کھول لیا اور ایک دم پھُر سے اڑ کر پہلے دیوار پر پھر برابر کے پیڑ پر جا بیٹھا۔ اب نیچے سے ثنا اور اسد اسے پچکارنے لگے۔ "مٹھو آؤ ..... پیارے مٹھو آبھی جاؤ"۔

مگر میاں مٹھو اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ اسے ایسا دیکھ کر محسوس ہوا جیسے وہ کسی کی آواز سن ہی نہیں پا رہا ہے۔

انہیں جتنا بلایا جاتا وہ اور اونچی شاخ پر اڑ کر بیٹھ جاتے۔ تب پنجرے کو اونچی دیوار پر یوں رکھا گیا کہ اس کا دروازہ مٹھو کی جانب رہتا اور اس میں پھل وغیرہ رکھے گئے پھر ایک ڈوری نیچے تک دروازے میں باندھ دی گئی کہ اس کے اندر آتے ہی ڈوری کھینچ لی جائے گی اور دروازہ خود بخود بند ہو جائے گا۔

مٹھو میاں ساری حرکتیں دور سے دیکھتے رہے مگر سب سے ایسے روٹھے تھے گویا واپس آنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا ہو۔ وقت گزرتا گیا۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا اور اسی اندھیرے کی چادر میں مٹھو کہیں گم ہو گئے۔ اس دن سے پوسی نے بھی گھر آنا بند کر دیا۔

اس کی جدائی سے ثنا کا روتے روتے برا حال ہو گیا۔ اس کی ممی نے اسے تسلی دے کر سمجھایا "بیٹی! وہ چلا گیا۔ اب وہ نہیں آئے گا۔ اس کے جانے کا غم نہ کرو۔ ہم تمہیں دوسرا طوطا کل ہی بازار سے منگوا دیں گے"۔

"نہیں۔ نہیں۔ مجھے تو میرا مٹھو ہی چاہئے۔ کوئی دوسرا طوطا نہیں لوں گی"۔

اب اس کی ممی کہاں سے اس بھگوڑے مٹھو کو منا کر واپس لاتیں۔ طوطے کبھی کسی کے وفادار ہوئے ہیں؟

تب سے مٹھو کا پنجرہ سُونا سُونا ٹنگا ہوا ہے۔ امرود کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔ پیالے کا پانی خشک ہو گیا ہے۔ ثنا اور اسد کی روتی آنکھیں آج بھی مٹھو کے واپس آنے کی راہ تک رہی ہیں۔ پیڑ پر بیٹھے اور آسمان میں اڑتے ہوئے کسی بھی پرندے کی جانب ان کی آنکھیں اچانک ہی اٹھ جاتی ہیں اور شام کا دھندلکا پھیلتے ہی ان کی نظریں اکثر پاس پڑوس کی چھتوں اور پیڑوں پر جا ٹکتی ہیں۔ اسی امید میں کہ شاید وہ پھر لوٹ آئے لیکن کسی مٹھو کو باغ اور جنگل کی کھلی فضا کے آگے سونے کا پنجرہ بھی بھلا کبھی بھایا ہے!

قدیم ترین بہی کھاتہ

لین دین کا ایک پرانا حساب کتاب چالریس کے مقام پر پایا گیا۔ اس تحریر میں ابراہیم نامی شخص کے ۱۱۹۷ محکوم غلاموں کا روزانہ خرچ کی مکمل تفصیل درج ہے۔ جو آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے ادا کئے جاتے تھے۔

گُلگُلے

ایک رئیس نے ملازم کو اس کے کام کی تفصیل یوں بتائی۔ ”تمہارے کام یہ ہیں۔ گھوڑے کو دانہ ڈالنا، تھان صاف کرنا، گھوڑے پر زین کسنا، سواری کے ساتھ ساتھ چلنا، گھاس کاٹ کر لانا، کمرے صاف کرنا، دو وقت کھانا، تین وقت چائے تیار کرنا، بستر بچھانا، رات کو پاؤں دبانا، بازار سے سودا لانا، برتن صاف کرنا اور حسب ضرورت اور کام کرنے ہوں گے۔“ ملازم نے پوچھا۔

”حضور! یہاں قریب میں کوئی میدان بھی ہے؟“

”وہ کیوں؟“ رئیس نے حیرت کا اظہار کیا۔

ملازم نے کہا۔ ”اس لئے کہ فرصت کافی ہوگی۔ فالتو وقت میں اینٹیں بنایا کروں گا۔“

مرسلہ..... آفتاب احمد، میرپور ماتھیلو

استاد نے بچوں کو ملٹن کی شاعری کے بارے میں پڑھاتے ہوئے کہا کہ ”ملٹن نابینا تھا۔“ اگلے دن اس نے بچوں کی یاداشت کا امتحان لینے کے لئے پوچھا ”بتاؤ بچو! ملٹن کی سب سے بڑی کمزوری کیا تھی؟“

”سر وہ شاعر تھا۔“ ایک کونے سے آواز

آئی۔

مرسلہ..... وفا ذوالفقار مگسی، لاڑکانہ

ایک کسان نے بینک سے دو ہزار روپے بطور قرض طلب کئے۔ منیجر نے پوچھا ”کیا ضمانت دو گے؟“

کسان نے کہا ”میرے پاس چالیس گائیں ہیں“۔

کسان کو رقم مل گئی۔ کچھ عرصہ بعد کسان ایک

چشمے ـــــ عمدہ، اعلا

بڑی رقم لے کر آیا اور اس میں سے دو ہزار روپے گن کر بینک کو واپس دیئے۔ بینک منیجر نے کہا "آپ باقی رقم بھی ہمارے پاس جمع کروا سکتے ہیں۔"

کسان نے اسے گھور کر دیکھا اور کہا "تمہارے پاس کتنی گائیں ہیں؟"

مرسلہ..... بشریٰ ریاض، شیخوپورہ

ایک پروفیسر صاحب کسی حساب کے سوال میں الجھے ہوئے آسمان پر نظریں ٹکائے چلے جا رہے تھے۔ اچانک پیچھے سے ایک تیز رفتار کار نے ہارن دیا۔ پروفیسر صاحب بدستور ویسے ہی آسمان کو گھورتے چلتے رہے۔ کار تیزی سے ان کے سامنے آ کر رکی۔ کار کی کھڑکی میں سے ایک نوجوان نے جھانکتے ہوئے کہا۔

"بڑے صاحب اگر آپ وہاں دیکھ کر نہیں چلیں گے جہاں آپ کو جانا ہے تو آپ وہاں پہنچ جائیں گے جہاں آپ دیکھ رہے ہیں"۔

مرسلہ: نثار احمد، کراچی

نوکرانی (مالکن سے) "آپ نے مجھ پر چوری کا فضول الزام لگایا ہے مجھے وہ الفاظ نہیں مل رہے جس سے میں آپ کی تسلی کرا سکوں۔

مالکن: "تمہیں الفاظ نہیں مل رہے اور مجھے دو قمیضیں، ایک شلوار اور تین میز پوش نہیں مل رہے۔"

مرسلہ..... صائمہ مسعود، سیالکوٹ

ایک فارم پر بندھے گھوڑے کو جو کوئی بھی دیکھنے آتا، کچھ نہ کچھ کھانے کے لئے ضرور دے جاتا۔ مالک نے اس ڈر سے کہ کہیں گھوڑا بیمار نہ ہو جائے ایک بورڈ لگوا دیا جس پر لکھا تھا "برائے مہربانی گھوڑے کو کچھ نہ کھلائیں"..... دستخط مالک۔

چند دنوں..... بعد وہاں ایک دوسرا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا "ساتھ والے بورڈ پر دھیان نہ دیں"..... دستخط گھوڑا۔

مرسلہ: محمد عظیم قریشی، اسلام آباد

ایک شخص انتہائی زبردست حافظے کا مالک تھا اور کوئی شخص اسے مات نہیں دے سکتا تھا۔ ایک دن شیطان نے اس کا امتحان لینا چاہا وہ اس شخص کے پاس آیا اور پوچھا "جناب آپ انڈا کھاتے ہیں؟"

اس شخص نے جواب دیا "ہاں!"

یہ سن کر شیطان غائب ہو گیا اور پھر چالیس سال بعد دوبارہ اس شخص کے پاس واپس آ کر پوچھا

"کیسا؟"

اس شخص نے فوراً جواب دیا "اُبلا ہوا"۔

مرسلہ: انور فراز، پسنی (مکران)

ایک امیر کا نام فخرالدین تھا اور نوکر کا نام لدھا تھا۔ امیر مزاحیہ آدمی تھا ایک روز نوکر کو کہا کہ "اگر لدھا کے نام پر دو کش لگا دو تو کیا نام بنے گا؟" نوکر بھی حاضر جواب تھا بولا "جو فخر کے ف اڑانے سے بنتا ہے۔"

مرسلہ: ابرار احمد (؟)

دو لال بیگ ایک گندے نالے کے قریب گندگی کھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک لال بیگ بولا۔

"اس گندے نالے کے اوپر جو ہوٹل ہے وہ انتہائی صاف ستھرا ہے وہاں پر چمکتے ہوئے صاف ستھرے برتن ہوتے ہیں۔ اور وہاں کا فرش تو اتنا صاف ستھرا ہے کہ بس بتا نہیں سکتا....."

"بس بس..... دوسرے لال بیگ نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں نے کتنی بار تمہیں منع کیا ہے کہ میں جب کھانا کھاؤں تو میرے سامنے گندگی کی باتیں نہ کیا کرو۔"

مرسلہ: فاطمہ قریشی، پشاور

ایک دفعہ ایک چھوٹا جن ایک بچے کے پاس آیا اور اسے ڈرانے لگا لیکن بچہ نہیں ڈرا بلکہ معصومیت سے بولا۔

"تم کون ہو؟"

"میں جن کا بچہ ہوں"۔ چھوٹے جن نے غرا کر کہا۔

"اچھا!" بچے نے فوراً جواب دیا۔ "ریڈیو پر تمہارا ہی اعلان ہوا تھا کہ "جن کا بچہ" ہے آ کر لے جائیں۔"

مرسلہ: حبیب اللہ ماجد بلوچ، پنجگور۔

ایک شخص، یہودیوں کے قبرستان میں گیا اور منتظم سے بولا "میرا کتا مر گیا ہے کیا میں اسے یہاں دفن کر سکتا ہوں؟" منتظم نے غصے سے کہا۔ "کتا اور وہ بھی ہمارے قبرستان میں۔ بالکل نہیں۔" وہ شخص مسکرایا اور بولا۔ "خیر کوئی بات نہیں میں اسے عیسائیوں کے قبرستان میں لے جاؤں گا اور انہیں دس ہزار ڈالر دوں گا۔"

یہودی منتظم دس ہزار ڈالر کا سُن کر چاپلوسی سے مُسکرایا اور کہا۔ "عیسائی قبرستان میں!!! ہرگز نہیں..... آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ یہ ایک یہودی کتا ہے۔"

مرسلہ..... میر عدیل پرویز، آزاد کشمیر

جج (ملزم سے) "کیا تم نے پہلے کبھی جیل کاٹی ہے؟"

ملزم۔ "جناب! دو دفعہ کوشش کر چکا ہوں مگر سلاخیں اتنی موٹی ہیں کہ ناکام رہا"۔

مرسلہ..... محمد اویس خان، اٹک سٹی۔

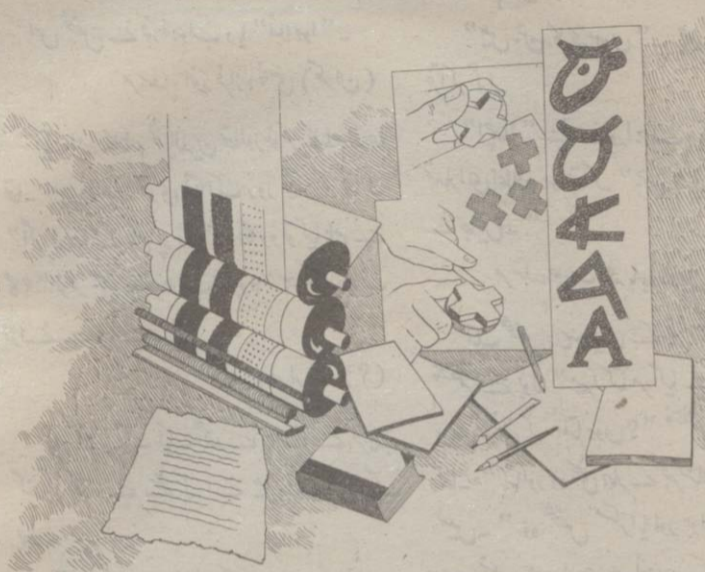

چھال سے چھاپہ خانے تک

عابد سلطان

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ کتاب صدیوں سے انسان کی راہنما، اور استاد رہی ہے اور انسان کی ترقی اور کمال میں کتاب کا بہت ہاتھ ہے لیکن ہم میں سے کم ہی ایسے ہوں گے جو کتابیں چھپنے کی ابتدا اور اس فن کے ارتقا کے بارے میں علم رکھتے ہوں۔

انسان نے زمانہ قدیم ہی سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ماہرین آثارِ قدیم اور سائنس دانوں نے ایسے قدیم غار دریافت کئے ہیں جن میں ہزاروں سال قبل انسان رہا کرتا تھا۔ تب انسان اپنے خیالات اور احساسات کا اظہار غار کی دیواروں پر تصاویر اور خاکے کندہ کر کے کیا کرتا تھا۔ گویا تاریک غاروں کی پتھریلی دیواریں ہی ابتدائی کتابیں تھیں۔

وقت گزرتا رہا اور انسان تجربات اور علم کے ذریعے مختلف اشیا کا استعمال سیکھتا گیا۔ رفتہ رفتہ لکڑی کے تختوں اور چمڑے پر لکھنے کا رواج شروع ہوا۔ مؤرخین کے مطابق پہلی بار کاغذ چین میں استعمال کیا گیا۔ یوں چین، مصر، عراق اور دنیا کے دوسرے مہذب اور ترقی یافتہ خطّوں میں کاغذ کا استعمال کتابوں کے لئے عمل میں لایا جانے لگا۔

لیکن کہانی یہیں ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ لکڑی، چمڑے یا کاغذ پر ہاتھ سے لکھ کر کتاب تیار کرنا بہت دشوار اور تھکا دینے والا کام تھا۔ ایک کتاب کئی مہینوں اور سالوں میں مکمل ہوتی۔ یہ رفتار مطالعے کے بڑھتے ہوئے شوق اور علم کے پھیلانے کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کے مقابلے میں بہت سُست اور غیر تسلی بخش تھی۔ اس رفتار کو تیز ہونا چاہئے۔ انسان نے غور و فکر کرنا شروع کیا۔

پاکستان کے دوست اور ہمسایہ ملک چین میں لکڑی کے تختوں پر حروف کندہ کر کے ان پر سیاہی لگا کر کاغذ پر چھاپنے کا عمل سترہویں صدی میں شروع کیا گیا تھا۔ بعد میں کوریا میں بھی یہ طریقہ رائج ہو گیا۔

یورپ میں چھپائی کا آغاز تصاویر سے ہوا۔ پہلے پہل تو تاش کے پتے چھاپے گئے لیکن جب پادریوں نے اس پر سخت احتجاج کیا تو مشہور مسیحی اولیا کی تصاویر تشریحی عبارتوں سمیت شائع کی گئیں۔ یوں پادریوں کے اعتراضات نرم پڑ گئے اور چھپائی کا عمل جاری رہا۔

کہا جاتا ہے کہ ہالینڈ کا رہنے والا شخص لارنس کوسٹر کتاب چھاپنے کا مؤجد ہے۔ تاہم محققین اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ایک جرمن، باشندہ جوہانس گوٹن برگ نے چھپائی کے فن کا آغاز کیا تھا۔ گوٹن برگ ہیرے جواہرات تراشنے کا فن سیکھنے سٹراس برگ گیا۔ وہیں اس نے کتاب چھاپنے کا فن سیکھا۔ آخری عمر میں وہ اپنے آبائی قصبے مینز آیا اور دھات سے حروف ڈھال کر چھپائی کا عمل شروع کر دیا۔ اس نے ہاتھ سے چلائی جانے والی کَل بنائی اور سب سے پہلے ایک قدیم جرمن نظم چھاپی۔ یہ تجربہ کامیاب رہا تو ۱۴۵۶ء میں لاطینی زبان میں "بائبل" کی چھپائی مکمل کی۔ اس میں اسے کئی سال لگے۔

چھپائی کا فن جرمنی سے اٹلی اور فرانس میں پھیلا۔ انگلینڈ بھی اس طرف متوجہ ہوا۔ ایک انگریز تاجر، سر ولیم کیکسٹن، جو ڈیوک آف برگنڈی کی بیگم، مارگریٹ کا تجارتی مشیر رہا تھا، جب برگنڈی سے کولوں گیا تو وہاں چھاپہ خانہ دیکھ کر چھپائی کا ہنر سیکھا اور یونانی زبان کی عظیم ترین رزمیہ نظم "ایلیڈ" کو انگریزی میں ترجمہ کر کے چھاپ دیا۔ "ایلیڈ" کا یہی ترجمہ ہی انگریزی زبان کی پہلی چھپنے والی کتاب ہے۔ آج دنیا میں سب سے زیادہ انگریزی زبان کی کتابیں ہی چھاپی، خریدی اور پڑھی جاتیں ہیں۔

انگریزی میں پہلا رسالہ "ویکلی نیوز"

(Weekly News) نیل ہبڑنے ۱۶۲۲ء میں نکالا۔ اور برطانیہ کا پہلا اخبار "ڈیلی کورنٹ" ۱۷۰۲ء میں نکالا گیا۔ انیسویں صدی تک اخباروں، رسالوں اور کتابوں کی بڑی تعداد چھپنا شروع ہو گئی تھی۔ لیکن پھر بھی یہ صرف اسکالروں، پادریوں، پروفیسروں اور وکیلوں تک محدود تھی۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں جرمنی کا ایک ذہین اور ہنر مند نوجوان فریڈرک کونگ اپنے دوست فریڈرک بوئر کے ہمراہ جرمنی سے انگلستان آکر آباد ہو گیا۔ اس نے چھاپے کی ایک جدید مشین ایجاد کی۔ اس مشین کی ایجاد سے قبل چھپائی کا طریقہ کار بہت وقت طلب اور دشوار کام تھا۔ کتاب کے صفحے کا فرمہ بنا کر ہاتھ سے بیلن گھما کر اس پر سیاہی پھیری جاتی اور کاغذ پر چھپائی ہوتی۔ اس عمل سے زیادہ وقت میں بہت کم چھپائی ہوتی۔

فریڈرک کونگ نے سیاہی پھیرنے کے لئے ایسی مشین ایجاد کی کہ فرمہ مسلسل آگے پیچھے حرکت کرتے ہوئے سیاہی میں تر ہوتا اور صفحات چھپ کر باہر نکلتے رہتے۔ یوں ایک گھنٹے میں گیارہ بارہ سو صفحات چھاپنا ممکن ہو گیا۔ اب چھپائی کے فن کی رفتار تیز ہو گئی۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک بڑا سائنس داں اپنی ایجاد سے ساری دنیا کو خوشی اور آرام دیتا ہے لیکن خود اکثر ان سے محروم رہتا ہے۔ فریڈرک کونگ اور فریڈرک بوئر دونوں اپنی ایجاد کے مالی فائدوں سے محروم رہے اور سارا منافع بنسلے نامی شخص نے کمایا جس نے ان مشینوں کے لئے رقم فراہم کی تھی۔ کونگ اور بوئر وہاں سے چلے آئے اور بوئر یا کی خانقاہ میں غریب نوجوانوں کو چھپائی کی تربیت دے کر اس فن کی ترویج کی۔

ولیم بلک نامی امریکی نے ۱۸۶۳ء میں گردشی سلنڈروں والی مشین "روٹری پریس" (Rotary Press) ایجاد کی۔ اس میں محور پر کاغذ کی لمبی ریل چڑھا کر کاغذ کی پٹی کو آگے بڑھایا جاتا ہے اور یوں ایک ہی صفحہ بار بار چھپتا چلا جاتا ہے۔ یہ مشین ہموار کاغذ کی بجائے سلنڈری فرمے کے ذریعے کام کو مزید آسان اور تیز بناتی ہے اور تھوڑی ہی دیر میں ہزاروں لاکھوں اخبارات چھاپ سکتی ہے۔ اس مشین میں چھاپنے کے علاوہ کاٹنے، تہہ کرنے اور بنڈل بنانے کی سہولت بھی موجود ہے۔ گردشی سلنڈروں کی مدد سے سارا کام کم وقت میں آسانی سے ہو جاتا ہے۔

آیوا کے رہنے والے ایک غریب امریکی نوجوان نے کچھ عرصہ فوج میں گزارنے کے بعد واشنگٹن آکر مونو ٹائپ پر کام شروع کر دیا اور ۱۸۰۹ء میں اسے مکمل کر کے مونو ٹائپ ایجاد کی جو کتابوں کی چھپائی کے لئے بہترین مشین ہے۔ اس کے دو بنیادی حصے ہوتے ہیں۔ کی بورڈ (Key Board) کاغذ میں سوراخ چھیدتی ہے جبکہ کاسٹر (Castar) ان میں حروف گراتا اور فقروں کو درست کرتا جاتا ہے۔ مونو ٹائپ کے کی بورڈ میں

تقریباً ۳۰۰ کیریکٹر ہوتے ہیں۔

اس طرح چھپائی اب کوئی مسئلہ نہیں رہی۔

جدید دور میں جہاں اور شعبوں میں سائنس نے نت نئ ایجادات سے ہر کام کو آسان اور تیز تر کر دیا ہے وہاں پرنٹنگ میں بہت تبدیلیاں اور اضافے ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ طباعت کے مختلف طریقے اختیار کئے گئے۔ مونو ٹائپ (Mono Type) لینو ٹائپ (Lino type)لیٹر پریس (Letter Press) روٹری پریس (Rotary Press) فیسیمائل پرنٹنگ (Facisimile Printing) اور لیتھو گرافی (Litho Graphy) یہ سب چھپائی یعنی پرنٹنگ کے طریقے ہیں۔ بیک وقت مختلف شہرون سے ایک ہی اخبار نکالنے کے لئے ٹیلی ٹائپ سٹنگ (Tele Type Setting) کا طریقہ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اب تو کمپیوٹر کے استعمال سے مزید سہولت ہو گئی ہے۔ آج کسی بھی زبان کی کوئی کتاب حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ ہر طرح کے اخبار، رسائل اور کتب دنیا کے ہر گوشے میں با آسانی دستیاب ہیں اور ہر کوئی ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ فن چھپائی سے وابستہ لوگوں، ہنر مندوں اور سائنس دانوں کی اَن تھک محنت اور لگن کے باعث ممکن ہوا۔ ہماری دعا ہے کہ سائنس اسی طرح انسان کے فائدے سہولت اور آرام کے لئے سرگرم عمل رہے۔

حیدر آباد دکن میں ایک مرتبہ قرآن خوانی کی مجلس ہوئی۔ میر محبوب علی خاں نے جو اس وقت نظام دکن تھے اپنے ایک ساتھی سے کوئی بات شروع کی اس مجلس میں قصبے کا ایک قاضی بھی موجود تھا جو حکومت سے ۲۵ روپے ماہوار تنخواہ پاتا تھا مجلس میں بڑے بڑے عالم موجود تھے۔ مگر کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ وہ بادشاہ کو بات کرنے سے روکے۔

قاضی صاحب سے رہا نہ گیا، انہوں نے زور سے "ہوں" کی نظام چپ ہو گئے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر بات چیت میں مصروف ہو گئے۔ قاضی صاحب نے پھر زور سے "ہوں" کی نظام پھر خاموش ہو گئے۔ لیکن تیسری دفعہ پھر انہوں نے کسی سے بات کرنا شروع کر دی۔ قاضی صاحب کو غصہ آگیا اور نظام کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر زور سے کہا۔

" بادشاہ سلامت میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ قرآن مجید پڑھا جا رہا ہو تو بات چیت بند کر دینی چاہئے، جب بادشاہ ہی قرآن شریف کا ادب نہ کرے تو اور کسی کے خاموش ہونے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ "

قاضی صاحب کی اس حرکت سے سب سہم گئے لیکن جب مجلس بر خاست ہوئی تو نظام نے قاضی صاحب کو بلا کر ان کا پتہ پوچھا اور انہیں ان کی جرأت پر پانچ سو روپے انعام دیا اور حکم دیا کہ ان کی تنخواہ بھی بڑھا دی جائے۔

قاضی صاحب نے فرمایا،

"میں نے حق بات کہہ کر فرض پورا کیا ہے، میں اس کا کوئی صلہ نہیں چاہتا۔" یہ کہہ کر انعام اور اضافہ دونوں واپس کر دیئے۔

مرسلہ: محمد عظیم قریشی۔ اسلام آباد

یہ خدمت جناب

ممتاز رحمان اور بہت سے ساتھی، ڈیرہ غازی خان۔ آپ ہمارے خطہ نہ چھاپ کر ہمارا نازک سا دل کتنی بار توڑیں گے۔ ○ ..... لیجئے اب تو آپ کی شکایت دور ہو گئی۔ حاجی مظہر حسین لاشاری، بہاول نگر۔ قلم قتلے ہم نئے لکھاریوں کے لئے بہترین سلسلہ ہے۔ ماجد خان، حیدر آباد۔ ستمبر کے شمارے میں "لڑاکا پائلٹ" جتنی تیزی کے ساتھ شروع ہوئی اتنی ہی تیزی کے ساتھ ختم بھی ہو گئی لیکن دل پر ایک یادگار اور انمول نقش چھوڑ کر۔ افشاں بشیر، کراچی۔ "گندے گھر میں اچھے بھائی" پڑھ کر بے ساختہ قہقہے چھوٹ گئے۔ امید ہے سیما صدیقی اسی طرح شوخ و شریر ہنستی مسکراتی تحریریں لکھتی رہیں گی۔ میری نظم "گڑیا نگر" کے بارے میں رائے سے آگاہ فرمائیں۔ کچھ تجاویز بھی حاضر ہیں۔ ○ ..... آپ کی نظم باری آنے پر عنقریب قلم قتلے میں چھپ جائے گی۔ اسامہ آصف حسن، کراچی۔ ستمبر کا آنکھ مچولی اپنی تمام دلچسپیوں کے ساتھ پسند آیا۔ کہانیاں کم تھیں۔ مگر اچھی تھیں۔ اشتیاق احمد کی "بچاؤ ابتدا میں اچھی تھی مگر اب غیر دلچسپ ہوتی جا رہی ہے۔ نیا سلسلہ "عکس" "ادھورے کیجئے پورے" پسند آیا۔ شبیر احمد خان، کراچی۔ ستمبر کے شمارے میں "میں مجرم ہوں"، "جنگ ستمبر فتح یا شکست"، "جب قوم یتیم ہو گئی"، "لڑاکا پائلٹ"، "قلم کا سفر"، "جھٹنا پلٹنا"، "چیزیں گرنے کا قانون"، "حق"، "کیسی رہی"، "فوجی اصطلاحات" اور "تحفہ" لاجواب تحریریں تھیں۔ بچاؤ کی آٹھویں قسط پسند آئی۔ قلم قتلے میں "حمد باری تعالیٰ"، "ہو گئے پھر ناکام"، "عمل کا دن" اور "یوم دفاع" نے متاثر کیا۔ خاور مجید، ڈیرہ اسماعیل خان۔ میں آپ کو سات خط لکھ چکا ہوں لیکن آپ نے ایک بھی نہیں چھاپا۔ یہ میرا آخری خط ہے۔ ○ ..... پچھلے ساتوں

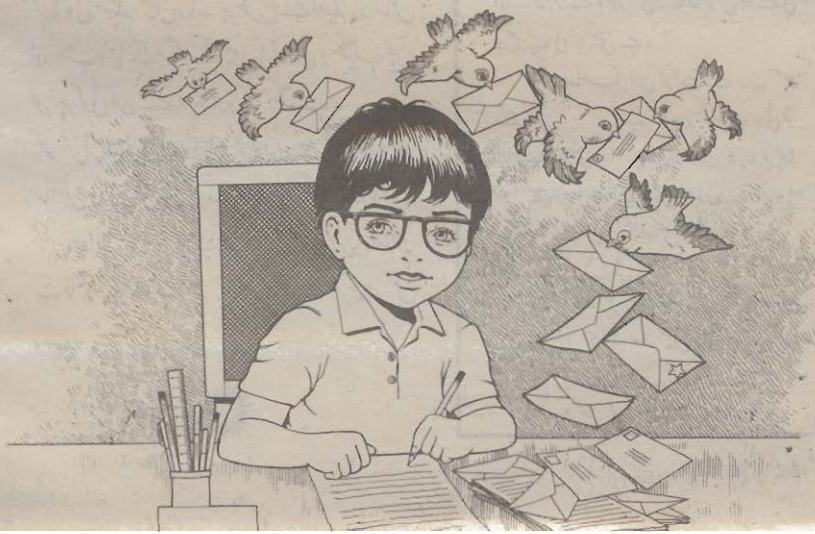

ایک خط ایک مسئلہ

اس خط کے ذریعے میں ایک اہم مسئلے کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں اور وہ مسئلہ ہے "سیاست" کا جس میں بچوں تک کو گھسیٹا جاتا ہے۔ پہلے اسکول اور کالج "سیاست" سے محفوظ تھے لیکن جب سے سیاسی تنظیمیں علاقائی، عصبیت اور مذہبی فرقہ واریت کے اصول لے کر اسکولوں اور کالجوں میں طلبہ تنظیموں کے روپ میں داخل ہوئی ہیں طلبہ بھی "گندی سیاست" سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ پڑھنے لکھنے اور ملک و قوم کے اچھے شہری بننے کے بجائے وہ ان تنظیموں کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ طالب علم خاصے سمجھ دار ہوتے ہیں۔ انہیں طالب علمی کے دور میں سیاست سے دور رہنا چاہئے اور اپنی پڑھائی پر پوری توجہ دینی چاہئے۔ اسی میں ان کا، ان کے گھر والوں کا، ملک کا اور قوم کا فائدہ ہے۔

کامران اعجاز بلوچ، بھکر

خط ہم تک نہیں پہنچے کہیں رستے میں ہی رہ گئے۔ بتائیے اس میں ہمارا کیا قصور! **محمد صدیق بگٹی، بلوچستان۔** میں آنکھ مچولی کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں اس کے لئے مجھے کیا کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ میں کچھ کہانیاں اور لطائف بھی ارسال کرنے کا خواہش مند ہوں اگر آپ اجازت دیں تو..... ○ ..... بھائی صدیق بگٹی! آپ بغیر اجازت کے بھی اپنی تحریریں بھیج سکتے ہیں سالانہ خریدار بننے کے لئے آپ کو ڈیڑھ سو روپے کا منی آڈر بھیجنا پڑے گا۔ اس طرح رسالہ آپ کو گھر بیٹھے ملتا رہے گا۔ **بشریٰ ریاض، شیخوپورہ۔** تیسری مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ آپ نے صرف ایک خط چھاپا ہے میرا لطیفہ چھپ جائے گا ناں؟ ○ ..... آپ کا دوسرا خط چھپ گیا ہے اور لطیفہ بھی۔ اب آپ جلدی سے اپنی دوستوں کو مٹھائی کھلائیے۔ **حسیب احمد، جہلم۔** امید ہے کہ معصوم فرشتوں کے قتل عام کے بعد آپ خیریت سے نہیں ہوں گے۔ میری تحریروں کا کیا بنا؟ ○ ..... آپ کی ایک کہانی جولائی کے قلم قتلے میں شائع ہو چکی ہے باقی قابل اشاعت مرسلہ تحریریں باری آنے پر شائع ہوں گی۔ **شازیہ یاسمین، راولپنڈی۔** میری چھوٹی بہن سعدیہ یاسمین کی تحریروں کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ "آپ کی تحریریں قابل اشاعت ہیں عنقریب چھپ جائیں گی" لیکن ابھی تک عنقریب نہیں آئی۔ ○ ..... بہن شازیہ! ہم معذرت خواہ ہیں کہ ہماری طرف سے کوتاہی ہوئی۔ سعدیہ کی ایک تحریر "جیت" اصلاح کے بعد نومبر میں شامل ہوگی جب کہ دوسری تحریر بھی اصلاح کے بعد "عنقریب" باری آنے پر شائع ہو جائے گی۔ **راشد عبدالرفیق، کراچی۔** ستمبر کا شمارہ کسی ادبی پرچے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ کہانیاں آٹھ۔ آٹھ میں سے بھی دو "میں مجرم ہوں" اور "دستانے خریدنے کے لئے" نکال دی جائیں تو صرف چھ بچتی ہیں جب کہ مضامین پورے دس۔ اسی طرح قلم قتلے میں پانچ کہانیاں تو پانچ مضامین۔ پلیز! کہانیوں کی طرف توجہ دیجئے۔ **نعمان احمد خان، کراچی۔** "تحفہ" اور "کیسی رہی" پسند آئیں۔ مجموعی طور پر رسالہ میں کہانیوں کی کمی محسوس ہوئی۔ **محمد عمر احمد خان** کی "لڑاکا پائلٹ" اور **سیما صدیقی** کی "گندے گھر میں اچھے بھائی" بہت اچھی لگیں۔ مجموعی طور پر رسالہ پسند آیا۔ **فرح طارق، کوہاٹ۔** جشن آزادی کا موقع ہو یا کسی دوسرے تہوار کا ہم

اپنے گھروں محلوں اور عمارتوں کو سجانے کے لئے لاکھوں روپیہ برباد کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے تہوار سادگی سے منائیں تو یہی لاکھوں روپیہ ہمارے ملک کے غریب لوگوں کے کام آسکتا ہے اور سب سے بڑی خوشی تو دوسروں کی مدد کرنے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ فہد آفتاب، کراچی۔ انکل! میں نے آپ کو مضمون "اردو زبان" بھیجا تھا۔ کیا ردی کی ٹوکری چٹ کر گئی۔ ○ ..... پیارے بھتیجے! ہمیں آپ کا مضمون نہیں ملا۔ رانا اصغر علی، پاک پتن۔ ستمبر کے شمارے میں ارم حبیب کی کہانی نمبر ون رہی۔ لبنیٰ سعدیہ، کراچی۔ ناقابل اشاعت تحریروں کا سلسلہ ختم کر کے قابل اشاعت تحریروں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ ہرجیت سنگھ، مردان۔ آپ نہ تو میرے خطوط اور نہ ہی میری تحریریں چھاپتے ہیں۔ ○ ..... بھائی ہرجیت! لگتا ہے آپ جھوٹ موٹ کا شکوہ کر رہے ہیں۔ ابھی کچھ ہی مہینے پہلے قلم قتلے میں آپ کی "حمد" چھپی تھی اور دیکھئے اس بار بھی قلم قتلے میں آپ کی ایک نظم اصلاح کے بعد شامل ہے۔ عاطف محبوب، لاہور۔ کئی کہانیاں لکھیں مگر شائع نہ ہوئیں! ○ ..... کیوں شائع نہ ہوئیں؟ یہ بھی کبھی سوچا آپ نے؟ محمد سفیان انصاری، کراچی۔ انکل! "میرا پسندیدہ شعر" کے نام سے شعر و شاعری کا کوئی سلسلہ شروع کریں ○ ..... آنکھ مچولی میں اچھی خاصی نظمیں ہوتی ہیں۔ پھر بھی اشعار کی کمی محسوس ہوتی ہے آپ کو؟ محمد خالد آرائیں، نواب شاہ۔ کیا آپ میری تحریر "بچوں کا عالمی دن" چھاپ دیں گے۔ ○ ..... بالکل جناب، باری آنے پر قلم قتلے میں آپ کی تحریر چھپ جائے گی۔ احمد دین، کراچی۔ کیا میری تحریریں قابل اشاعت ہیں؟ ○ ..... جی نہیں ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے۔ سخی بخش صائم، پسنی (مکران)۔ جناب آپ نے میری تصویر "ساتھی بچپن کے" میں نہیں چھاپی۔ ○ ..... بھائی ساتھی بچپن کے سلسلہ ختم کر دیا گیا ہے۔ شوکت الحیٔ بلوچ، دالبندین،۔ لگتا ہے آنکھ مچولی پر صرف کراچی اور سندھ والوں کی اجارہ داری ہے!! ○ ..... نہیں بھائی یہ پورے پاکستان کے بچوں کا رسالہ ہے۔ طاہر زمان، مردان۔ انکل! آپ میری تحریریں کیوں شائع نہیں کرتے۔ ○ ..... آپ اچھی اچھی تحریریں بھیجیں گے تو ضرور شائع کریں گے۔ راشد علی ایوبی، جہلم۔ مجھے یقین نہیں کہ آپ میرا خط چھاپ دیں گے!! ○ ..... چلیں! اب تو یقین آ گیا۔ واحد بخش شوہاز، پسنی آپ نے میرا خط شائع کیا تو آپ کا شکریہ ادا کروں گا۔ ○ ..... صرف شکریہ ادا کریں گے ہم تو سمجھے آپ مٹھائی کھلائیں گے۔ تابندہ زہرہ، راولپنڈی۔ "بدلہ" بھیج رہی ہوں۔ شائع ہو جائے گی ناں؟ ○ ..... آپ نے اچھا "بدلہ" لیا ہے باری آنے پر قلم قتلے میں "بدلہ" چکا دیں گے۔ جتندر نند کشور، حیدر آباد۔ انکل ایک مضمون ترجمہ کر کے بھیج رہا ہوں۔ ○ ..... معیار پر!!! بھئی جتندر، یہ تو ناقابل اشاعت ہے آپ کوئی اور آسان اور دلچسپ سا مضمون لکھئے۔ عنبرین عشرت، کراچی۔ انکل! کیا آپ میری کہانی "مسٹر اے ڈی" قسط وار چھاپ سکتے ہیں؟ ○ ..... قسط وار تو نہیں البتہ ایک ہی بار باری آنے پر شائع کر دیں گے۔ تسلیم، پشاور۔ انکل! اگر میں سرورق کے لئے ڈرائنگ بنا کر بھیجوں تو کیا آپ.....؟ جواب ضرور دیں۔ ○ ..... دراصل ہمیں اپنے آرٹسٹ صاحب کے ہاتھ کی بنی ہوئی تصاویر پسند ہیں اس وجہ سے سرورق ان سے بنواتے ہیں۔ عابد جان، سوات۔ آنکھ مچولی مجھے اور میرے دوستوں کو اچھا لگتا ہے۔ کیوں کہ اس میں مزے مزے کی کہانیاں ہوتی ہیں۔ ○ ..... آپ کی باتیں بھی مزے مزے کی ہیں۔ آنکھ مچولی پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

آفتاب احمد، میرپور ماتھیلو۔ کیا آپ میرا ارسال کردہ لطیفہ شائع کر دیں گے؟ ○ ..... آنکھیں کھولئے۔ آپ کا لطیفہ تازہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ **عائشہ انیس، خوشاب۔** آنکھ مچولی نہ صرف مجھے بلکہ گھر میں سب کو اچھا لگتا ہے ویسے مجھے ننانوے فیصد امید ہے کہ آپ میرا خط نہیں چھاپیں گے۔ ○ ..... افسوس! آپ کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ **مہکان، قرۃ العین، حافظ آباد۔** ستمبر کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ سب کہانیاں لذت سے بھرپور تھیں اور ان میں شہد جیسی مٹھاس تھی۔ چپکے سے کان میں ایک بات تو بتائیں کہ آپ تحریر شائع کرنے کے لئے کتنی رشوت لیتے ہیں۔ ○ ..... بھئی رشوت لینا تو بری بات ہے ویسے اچھی تحریر خود سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے۔ **شہلا یاسمین، واہ کینٹ۔** میں آنکھ مچولی اس وقت سے پڑھ رہی ہوں جب سے یہ شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ **فرح اختر، پشاور۔** آپ کا رسالہ کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں لیکن اس میں پہلی بار حصہ لے رہی ہوں۔ پلیز! مجھے نظر انداز نہ کیجئے۔ **محمد ادریس، پشاور۔** پہلی بار آنکھ مچولی خریدا بے حد پسند آیا۔ **حبیب اللہ ماجد بلوچ، پنجگور۔** آنکھ مچولی اتنا اچھا ہے کہ اب میرے کئی دوست اس کا مطالعہ کرنے لگے ہیں۔ **وفا ذوالفقار مگسی، لاڑکانہ۔** "ساتھی بچپن کے" میں اپنا تعارف پاکر بے حد دکھ ہوا۔ آپ نے میرا لطیفہ بھی نہیں چھاپا۔ یہ میرا آخری خط ہے۔ ○ ..... پیارے بھائی! "ساتھی بچپن کے" کا سلسلہ چند وجوہ کی بنا پر ختم کر دیا گیا ہے۔ تازہ شمارے میں آپ کا ایک عدد لطیفہ شامل ہے اور ہاں اگر آپ نے خط لکھنا بند کر دیا تو ہمیں آپ سے زیادہ دکھ ہوگا..... ! **کلیم اللہ رند بلوچ، دشت کھڈان۔** میری دعا ہے کہ آنکھ مچولی اچھی اچھی کہانیوں، مضامین، نظموں، اور لطیفوں سے سجا رہے۔ ○ ..... آمین۔ **منظم اقبال، امرہ کلاں۔** یہ میرا پہلا خط ہے۔ شائع ضرور کریں اور میری کہانی بھی۔ ○ ..... دوسرا خط اور دوسری کوئی دلچسپ سی کہانی لکھئے کیوں کہ آپ کی پہلی کہانی ناقابل اشاعت ہے۔ **اسد اللہ خٹک، اٹک۔** آنکھ مچولی کا ہر شمارہ دوسرے شمارے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ **محمد عاطف احمد (؟)** شرارت کا مزہ ارسال کر رہا ہوں کیا آپ شائع کر دیں گے؟ ○ ..... بھئی! آپ کی شرارت میں مزہ نہیں آیا۔ آپ کوئی اور مختصر اور دلچسپ کہانی بھیجئے۔ **ارم رؤف، راولپنڈی۔** پہلی بار کوئی نظم بھیج رہی ہوں۔ ○ ..... آپ کو دوسری بار بھی لکھنا ہوگا کہ آپ کی پہلی نظم ناقابل اشاعت ہے۔ **غلام غوث، فیصل آباد۔** اگست کا "آزادی نمبر" مجھے بے حد اچھا لگا۔ **ثروت جبین، مردان۔** کیا آپ وقار یونس اور عاقب جاوید کا انٹرویو نہیں چھاپ سکتے؟ ○ ..... کیوں نہیں جوں ہی کوئی کھلاڑی ہاتھ لگے اس کا انٹرویو کیا جائے گا۔ **محمد فاروق، لیہ۔** آپ نے میرا خط شائع نہ کیا تو میں آنکھ مچولی پڑھنا چھوڑ دوں گا۔ ○ ..... اچھے بچے کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ **بشریٰ عروج، گجرات۔** مجھے آرٹ سے دلچسپی ہے کیا کوئی کارٹون بنا کر بھیج سکتی ہوں؟ ○ ..... بھئی! "کارٹون" تو ہم ٹی وی پر دیکھ لیتے ہیں بہرحال آپ بھی بھیج دیجئے اچھے اور معیاری ہوئے تو لطائف میں شائع ہو جائیں گے۔ **محمد عظیم محبوب، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔** کچھ تحریریں ارسال کر رہا ہوں۔ کیا یہ ..... ○ ..... جی ہاں باری آنے پر ..... مگر سب نہیں۔ **صائمہ مسعود، سیالکوٹ۔** آپ نے میرا لطیفہ کیوں نہیں چھاپا؟ میں ناراض ہوں ○ ..... بھئی! ناراض نہ ہوں تازہ شمارے میں آپ کا لطیفہ شامل ہے۔ **خالد، کراچی۔** آپ کو میری کہانی کیسی لگی؟ ○ ..... اچھی ہے باری آنے پر قلم قتلے میں شائع ہو جائے گی۔ ..... ○ ..... ○ .....

ڈاکو اور کوا

نعیم مشتاق نومی

ایک ڈاکو تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے ڈاکے ڈالنا چھوڑ دیئے۔ اب وہ تھک چکا تھا اور ڈاکے ڈالنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا..... یہ موقع ہر بڑے انسان کی زندگی میں آتا ہے، جب اسے بڑے کام بڑے لگتے ہیں۔ دل میں بے چینی سی ہوتی ہے اور انسان اس بڑے ماحول اور بڑی دنیا سے دور، بہت دور بھاگ جانا چاہتا ہے..... اور یہ موقعہ جب اس ڈاکو کی زندگی میں آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور دور، بہت دور ایک جنگل میں نکل آیا۔ وہاں اس نے ایک چھوٹا سا گھر بنا لیا اور کچھ عرصہ بعد اس نے ایک ملازمہ بھی رکھ لی جو ایک نیک دل بوڑھی عورت تھی۔ اسے جو کام اس نے سونپا، وہ تھا، کھانا پکانا، برتن دھونا اور جھاڑو لگانا۔

وہ ڈاکو خود عموماً اپنے باغ میں کھدائی، گوڈی، صفائی وغیرہ کرتا رہتا تھا۔ صبح شام پودوں کو پانی دیتا

اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھتا تھا..... یہ باغ اس نے بڑی محنت، محبت اور لگن سے تیار کیا تھا۔ اس میں اس نے سبزیاں بھی لگا رکھی تھیں اور پھل دار پودے بھی۔ اس کے علاوہ کئی قسم کے خوش نما اور خوشبو دار پھول بھی وہاں کے ماحول کو معطر اور خوب صورت بنائے ہوئے تھے۔

وہ ڈاکو تقریباً ہر وقت اپنے باغ میں ہی مصروف رہتا تھا۔ مگر کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ وہ بے چین، بے قرار اور مضطرب سا ہو جاتا۔ ایسی حالت میں وہ گھر کے اندر جاتا، اپنا پستول نکالتا، اور تیز تیز قدم اٹھاتا جنگل کے اندر گھس جاتا۔ اور اس وقت تک درختوں پر گولیاں چلاتا رہتا، جب تک کہ اس کا اضطراب، اس کی بے چینی اور بے قراری ختم نہ ہو جاتی۔

ایک دن وہ بوڑھا ڈاکو اسی طرح جنگل میں درختوں پر گولیاں برسا رہا تھا۔ بے نشانہ، بے مقصد!..... اچانک ہی اس کی سماعت سے ایک درد ناک آواز ٹکرائی۔

یہ "قیں قیں" کی آواز تھی، جو خاصی اونچی تھی۔

اس کے ذہن میں فوراً خیال آیا..... "میں نے ضرور کسی کو زخمی کر دیا ہے۔"

وہ تیزی سے آواز کی سمت لپکا۔

چند قدم اٹھانے کے بعد اسے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے کوئی شے تڑپتی اور کراہتی ہوئی دکھائی دی۔

"ہائے ہائے!..... تم نے..... تم نے مجھے مار ڈالا ہے!..... ہائے!..... ہائے!....." وہ شے کراہتے ہوئے درد ناک آواز میں بولی۔ "تم نے..... ہائے!..... ہائے میرا بازو..... ہائے!..... میرا بازو توڑ ڈالا ہے تم نے!..... ہائے!....."

چند ثانئے کے بعد وہ اس شے کے پاس کھڑا تھا اور وہ شے ایک بڑا سا جنگلی کوا تھی۔

"تم نے شاید مجھے مار ڈالا ہے۔" کوا کراہتے ہوئے بولا۔

ڈاکو نے غور سے اسے دیکھا۔

وہ زخمی تھا اور رو رہا تھا، کراہ رہا تھا۔ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

یہ سب دیکھ کر اسے بہت دکھ ہوا۔ افسوس سے اس نے سر کو ہلایا اور شرمندہ سا ہو کر بولا۔

"آئی ایم سوری دوست!..... میں تمہیں زخمی کروں، میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا..... یقین کرو دوست! یہ جو کچھ ہوا، انجانے میں ہوا.....!" اس نے پھر معذرت چاہی۔ "آئی ایم سوری!"

"اب تمہارے سوری کہنے کا کیا فائدہ مجھے؟" کوے نے سسکی لے کر کہا۔ "میں تو زخمی ہو چکا ہوں..... میرا بازو اب اس قابل نہیں رہا کہ میں اڑ سکوں..... اور ہائے!..... یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے..... ہائے ہائے!..... مگر تمہیں اس سے کیا؟..... زخمی ہوا ہوں تو میں ہوا ہوں، تم تو نہیں ہوئے..... ہائے میرا بازو!....."

"تمہارا بازو تو بہت زیادہ زخمی ہے۔" ڈاکو نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"تمہیں میرے بازو سے کیا؟" کوّا درد بھری سسکیاں لے کر بولا۔ "تمہیں تو خوش ہونا چاہئے ..... ہائے!..... اب جب رات ہو گی درندے چرندے آئیں گے..... میں بھاگ نہیں سکوں گا..... اور ہائے ہائے!..... اور وہ مجھے کھا جائیں گے..... ہائے!..... اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہو گا..... ہائے! ہائے!..... چلے جاؤ!..... اور اور جتنی جلدی جا سکتے ہو، میری نظروں سے دور چلے جاؤ!..... ہائے!..... ہائے!....." اس نے درد کی شدت سے آنکھیں بند کر لیں۔

"میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، ساتھ لے کر جاؤں گا۔" ڈاکو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "تم میری وجہ سے زخمی ہوئے ہو..... اب میں ہی تمہارا علاج کروں گا..... پھر تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" اس نے کوّے کو تسلی دی۔ غور سے دیکھنے پر اسے احساس ہوا کہ کوّا بے ہوش ہو چکا ہے۔

اس نے فوراً اپنا بڑا سا ہیٹ، جو ہر وقت اس کے سر پر ہوتا تھا، اتارا۔ اس میں کوّے کو اٹھا کر بڑے پیار سے رکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا گھر کی طرف بھاگ لیا۔

جلد ہی وہ گھر پہنچ گیا۔ اس نے جلدی سے "فرسٹ ایڈ باکس" نکالا اور کوّے کی مرہم پٹی کرنے لگا۔

سچائی کی برکت

ایک شخص رسول اللہ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ ؐ! مجھ میں چار بُری خصلتیں ہیں۔ ایک یہ کہ میں بدکردار ہوں، دوسری یہ کہ میں چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں، اور چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں، ان میں سے آپ ؐ میری جس بُری خصلت کے متعلق فرمائیں گے میں ترک کر دوں گا"۔

آپ ؐ نے فرمایا۔ "جھوٹ نہ بولا کرو"۔

اس نے عہد کیا اور چلا گیا۔ رات ہوئی تو شراب کی طلب ہوئی اور بدکاری کا ارادہ کیا لیکن خیال آیا کہ جب حضور ؐ پوچھیں گے تو سچ بولنا پڑے گا اور شراب نوشی و بدکاری کی سزا ملے گی یہ سوچ کر ان دونوں برائیوں سے باز رہا۔ کچھ رات گزری تو چوری کرنے کی خصلت ابھری لیکن کئے ہوئے وعدے نے سچ بولنے اور ہاتھ کٹنے کے خوف سے باز رکھا۔ اس طرح تینوں برائیوں سے باز رہا۔ صبح ہوئی تو خوشی خوشی آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ ؐ! میں ایک جھوٹ نہ بولنے سے باقی تینوں برائیوں سے بچ گیا"۔

مہوش افتخار، لاہور

کچھ دیر بعد جب کوّے نے آنکھ کھولی تو اس نے خود کو بڑے آرام میں محسوس کیا۔

اس نے دیکھا..... سامنے ہی ڈاکو کھڑا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

"شکریہ! " کوّے نے کہا اور آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

"اب تم بہت جلدی تن درست و توانا ہو جاؤ گے..... بالکل اسی طرح جیسے پہلے تھے! " ڈاکو نے کہا۔

اور پھر واقعی جنگلی کوّا بہت جلد ٹھیک ہو گیا..... اب وہ پہلے کی طرح اڑ سکتا تھا..... اور یہ سب کچھ اس ڈاکو کی پوری توجہ اور دیکھ بھال کی وجہ سے ہوا تھا۔

صحت مند ہونے پر کوّے نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "تم ایک اچھے انسان ہو۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو! " اس کے لہجے میں حسرت سی تھی۔

"کیا تمام ڈاکو تمہارے جیسے ہوتے ہیں؟" کوّے نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اب ڈاکو نہیں رہا۔ " ڈاکو نے کہا "اس لئے کہ میں نے ڈاکے ڈالنا چھوڑ دیئے ہیں۔ "

"کیا کہا!؟ " کوّا حیرت سے چیخا۔ "تم نے ڈاکے ڈالنا چھوڑ دیئے ہیں؟ " اس کے لہجے میں حیرت تھی اور سوال بھی تھا۔

"ہاں! چھوڑ دیئے ہیں" ۔ وہ بولا۔ "مگر تم اتنا حیران کیوں ہو رہے ہو؟"

"پھر وہ سب کیا تھا؟ " کوّے کی حیرت اب بھی برقرار تھی۔

"وہ سب کیا؟ " اس نے پوچھا۔

"وہ جو تم وہاں جنگل میں جا کر گولیاں چلا رہے تھے..... وہ کیا تھا؟ " کوّے نے وضاحت کی۔

"اچھا وہ.....! " ڈاکو ہنسا۔

"وہ دراصل بات یہ ہے..... جب میں کبھی کبھار بے چین و بے قرار ہو جاتا ہوں تو جنگل میں جا کر پستول سے گولیاں چلاتا ہوں..... ایسے ہی، بے مقصد!..... بے نشانہ لئے۔ "

"اور اس سے تمہیں سکون ملتا ہے؟..... بے چینی و بے قراری ختم ہو جاتی ہے؟ " کوّے نے لقمہ دیتے ہوئے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! گولیاں چلا کر مجھے سکون ملتا ہے، بے چینی و بے قراری ختم ہو جاتی ہے۔ "اس نے تائید کی۔

" اگر یہ سچ ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے.....! " کوا پر خیال انداز میں بولا۔

"کیا مطلب ہے؟ " ڈاکو نے جلدی سے پوچھا۔

"تم نے باہر کے ڈاکو سے تو جان چھڑالی ہے، مگر تمہارے اندر کا ڈاکو ابھی تک زندہ ہے.....! " کوّے نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟ "

"وہ ایسے کہ..... جب تمہارے اندر کا ڈاکو

انگڑائی لیتا ہے تو تمہارے دل میں بے چینی، بے قراری اور اضطراب سا پیدا ہوتا ہے......۔"

کوے نے کہا "پھر تم اس بے چینی، بے قراری اور اضطراب کو ختم کرنے کے لئے گولیاں چلاتے ہو،...... گولیاں چلا کر تمہیں تسکین اور سکون سا ملتا ہے...... دراصل یہ سکون تمہیں نہیں تمہارے اندر کے ڈاکو کو ملتا ہے۔ وہ گولیاں چلا کر خوش ہوتا ہے...... جب اسے اس کی غذا مل جاتی ہے، اس کی عادت پوری ہو جاتی ہے تو وہ دوبارہ کچھ عرصے کے لئے سو جاتا ہے...... یعنی تمہارے اندر کا ڈاکو ابھی مرا نہیں...... زندہ ہے...... اگر تمہیں اچھا انسان بننا ہے تو اپنے اندر کے ڈاکو کو مار دو...... اس کی فرمائش پر بالکل کان نہ دھرو...... جب دل میں گولی چلانے کی خواہش پیدا ہو تو اس خواہش کو مار ڈالو...... جو ایسا کر سکے وہ ہی اچھا انسان ہوتا ہے!......" اس نے چند لمحے سانس درست کیا۔ پھر بولا۔

"ایک بات اور...... یہ جو تم درختوں پر گولیاں چلاتے ہو...... کیا یہ ایک ڈاکو ہی کی حرکت نہیں...... اس لئے کہ ڈاکو کا کام ہے...... ڈاکا ڈالنا، لوٹنا...... اب چونکہ درخت جاندار ہیں...... جب تم ان پر گولی چلاتے ہو تو کیا وہ گولی ایک جاندار کو نہیں لگتی؟...... کیا وہ زخمی نہیں ہو جاتا؟...... اب وہ بے چارہ ہماری طرح رو اور چلا تو سکتا نہیں...... ورنہ شاید تمہیں احساس ہو ہی جاتا اس بات کا......!"

"تم درست کہتے ہو!" ڈاکو ایک لمبی سانس لے کر چھوڑتے ہوئے بولا۔ "میں واقعی اندر کے

> میڈیسن کا ایک پروفیسر اپنے طالب علموں کو لیکچر دے رہا تھا، "اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ طریقہ علاج ہومیوپیتھی ہو یا ایلوپیتھی، آریوویدک ہو یا طب یونانی، کیونکہ سارے راستے قبر ہی کی طرف جاتے ہیں"۔
>
> مرسلہ:۔ عباس علی شاہ، کراچی

ڈاکو کو نہیں مار سکا...... مگر آج میں اسے مار دوں گا...... ابھی اور اسی وقت۔"

اتنا کہہ کر وہ اندر گیا اور اپنا پستول اٹھا لایا۔ پھر اس نے ایک گڑھا کھودا اور پستول اس میں دبا کر اوپر مٹی ڈال کر سطح کو برابر کر دیا۔

"آج سے میں ایک نیا انسان ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"صرف نیا نہیں، نیا اور اچھا انسان!" کوے نے گویا تصحیح کی۔ "اور میں چاہتا ہوں کہ آئندہ میں اسی اچھے انسان کے ساتھ رہوں!......" اس نے اپنی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں؟ بڑی خوشی سے!......" اس نے خوش ہو کر کہا۔ "میرا پورا باغ حاضر ہے!...... جہاں جی چاہے بسیرا کر لو۔"

"بہت بہت شکریہ!" کوا بولا۔

"تمہارا بھی شکریہ!" اس نے کہا۔ "تم نے ہی میرے اندر کے انسان کو انسان بننے کا موقع فراہم کیا ہے۔" اس کے بعد وہ اکٹھے ہی رہے...... خوش خوش!...... راضی راضی!...... امن سے...... اتفاق سے!......

ایک فریاد

حماد خالد فیاضی

کوئی ہم پر اثر نہیں ہوتا
گُر کوئی کارگر نہیں ہوتا

مرغ اکثر بنائے جاتے ہیں
آہ! پھر بھی اثر نہیں ہوتا

مار جب بے پناہ پڑتی ہے
تب کوئی ہم نوا نہیں ہوتا

دل پہ غم کی گھٹائیں چھائی ہیں
سات دن جمعہ کیوں نہیں ہوتا

ہم نے لڈو چُرائے ہیں اکثر
"جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا"

صبح دم روز ہو بخار ہمیں
دردِ سر بھی مگر نہیں ہوتا

کھول کر ہم کتاب بیٹھے ہیں
سر میں کچھ بھی جمع نہیں ہوتا

اک طرف باپ اور ادھر استاد
کون ہے جو خفا نہیں ہوتا

بچاؤ

نویں قسط

بچوں کے مقبول مصنف اشتیاق احمد کے قلم سے

انسپکٹر جمشید کی غیر موجودگی میں بچے گھر پر اکیلے تھے کہ اچانک دستک ہوئی۔ دروازہ کھولنے پر پروفیسر عمران جاہ زخمی حالت میں گھر کے اندر داخل ہوئے۔ دشمن بھی ان کے پیچھے تھا۔ ایک طویل ذہنی اور جسمانی جنگ لمحہ لمحہ رنگ بدلتی رہی اور بالآخر دشمن کو قابو کر لیا گیا۔ انسپکٹر جمشید واپس پہنچے تو میدان صاف تھا۔ تمام حالات معلوم کرنے کے بعد وہ فوج کی مدد سے سب ساتھیوں سمیت شہر کی سب سے محفوظ عمارت میں منتقل ہو گئے۔ انشارجہ کا زلزلہ بہت چالاک تھا۔ وہ پے در پے چالیں بدل کر عمارت کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا مگر ادھر بھی انسپکٹر جمشید کا ذہن کام کر رہا تھا۔ وہ ہر چال کو کامیابی سے ناکام بنا رہے تھے۔ پھر انہیں سب انسپکٹر اکرام کو آزاد کرانے کے لئے دشمن کے حصار میں داخل ہونا پڑا جہاں وہ خود کو نیلی روشنی کے حملے کی زد سے نہ بچا سکے۔

(اب آپ آگے پڑھئے)

انہوں نے فوراً دروازے کی طرف چھلانگ لگائی تاکہ نیلی روشنی کی زد سے نکل جائیں لیکن دروازہ تو باہر سے بند تھا۔

"یہ کیا بہادری ہے..... اس روشنی کو ہٹاؤ..... اور پھر مجھ سے دو دو ہاتھ کرو۔" وہ چلائے۔

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں روڈی ..... یہ کوئی بہادری نہیں ہے..... نیلی روشنی کو ہٹاؤ..... اور ان سے دو دو ہاتھ کرو۔" ان کے کانوں سے آواز ٹکرائی۔ انہوں نے دیکھا، بغلی دروازہ کھل گیا تھا اور ایک نوجوان، دبلا پتلا آدمی ان کی طرف بڑھ رہا تھا ..... گویا اسے نیلی روشنی کی کوئی پروا نہیں تھی۔

"آیئے مسٹر رابل ..... خوش آمدید۔" روڈی نے خوش ہو کر کہا۔

"تم نے روشنی بند نہیں کی میرے میزبان؟" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"نہیں مسٹر رابل ..... آپ انسپکٹر جمشید کو نہیں جانتے..... اگر ہم نیلی روشنی کے ذریعے ان کی طاقت سلب نہیں کریں گے تو یہ ہمیں تگنی کا ناچ نچا دیں گے۔"

"کوئی بات نہیں ..... میں جو یہاں موجود ہوں۔" رابل ہنسا۔

"لیکن اب کیا فائدہ مسٹر رابل!"

"کیوں ..... کیا بات ہے؟" رابل کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ایک منٹ پورا ہو چکا..... اس روشنی کی زد میں جو بھی ایک منٹ تک رہے گا..... اس کے جسم میں دوبارہ ایک گھنٹے سے پہلے طاقت نہیں آئے گی۔"

"تب تم نے غلطی کی روڈی..... مجھ سے پوچھ کر اس کا استعمال کرنا چاہئے تھا۔ دشمن کو اس طرح قابو کرنا مجھے پسند نہیں..... جب تک دو دو ہاتھ نہ ہو جائیں مزا نہیں آتا۔"

"تب تو میں معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"خیر اب کیا ہو سکتا ہے ..... ہم ایک گھنٹہ انتظار نہیں کر سکتے..... اب اپنا کام شروع کرتے ہیں..... مسٹر ٹامی..... آپ بھی آجائیں اور اپنا کام شروع کریں۔"

"کیا کام!؟" انسپکٹر جمشید حیرت زدہ انداز میں بولے۔

"بس دیکھتے جایئے۔" رابل نے کہا۔

ایک لمبے قد کا آدمی اسی بغلی دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔ رابل ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ٹامی اس کے سامنے ایک اونچے اسٹول پر بیٹھا۔ انسپکٹر جمشید کو اس کے سامنے ایک کرسی پر بٹھا کر باندھ دیا گیا۔

اب ٹامی کے ہاتھ تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ وہ رابل کے چہرے کی مرمت کر رہا تھا..... عجیب و غریب رنگ کے سیالوں سے، لوشنوں سے اور نہ جانے کس کس پینٹ وغیرہ سے ..... آدھ

گھنٹے تک وہ اپنے کام میں مصروف رہا..... اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں..... ان کے سامنے ایک اور انسپکٹر جمشید تیار ہو چکا تھا..... ٹامی نے رابل کو بالکل انسپکٹر جمشید بنا دیا تھا۔ اور اب وہ ان کے باقی جسم پر بھی کام کر رہا تھا..... تاکہ کہیں بھی کوئی خامی نہ رہ جائے۔

"کیا خیال ہے مسٹر رابل..... آپ کی پیشانی پر ایک ہلکا سا زخم نہ آجائے..... آخر انسپکٹر جمشید کو یہاں آکر لڑائی جھگڑا بھی تو کرنا تھا۔"

"بہت خوب ٹامی!..... تم تو میک اپ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ جاسوس بھی بنتے جا رہے ہو زخم کا نشان بھی بنا دو۔" اب اس نے چند رنگوں کو ملا کر رابل کی پیشانی پر کام شروع کیا۔ جلد ہی وہاں زخم نظر آنے لگا۔ انسپکٹر جمشید کو وہ زخم بالکل اصلی نظر آیا۔

"اف میرے مالک۔" وہ بڑبڑائے۔

"ابھی تو آپ کو اور چکر آئیں گے مسٹر جمشید۔" رابل نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کک..... کیا مطلب؟"

"میرا میک اپ مکمل ہو جانے دیں..... پھر ساری بات آپ کو معلوم ہو جائے گی۔"

"اف! میں نے یہاں آکر غلطی کی۔" وہ بولے۔

"کم از کم اکیلے نہیں آنا چاہئے تھا..... اپنے ساتھ فوج کا ایک دستہ تو لے کر آتے۔" رابل نے طنز کیا۔

انسپکٹر جمشید کچھ نہ کہہ سکے..... کہتے بھی کیا..... صورت حال ہی ایسی تھی..... اور پھر ٹامی نے اعلان کیا۔

"لیجئے جناب..... میں آپ کی حد تک اپنا کام مکمل کر چکا ہوں..... اب آپ انسپکٹر جمشید کو آئینے کے سامنے کھڑا کر لیں۔ خود بھی ان کے برابر کھڑے ہو جائیں اور دیکھ لیں..... کہیں کوئی فرق تو نہیں رہ گیا۔ قد آپ کا پہلے ہی ان کے برابر ہے اور جسم بھی..... باقی چیزیں میں نے صاف کر دی ہیں۔"

"ٹھیک ہے..... میں پہلے جائزہ لے چکا ہوں۔"

انسپکٹر جمشید کی رسیاں کھول کر انہیں آئینے کے سامنے کھڑا کیا گیا..... رابل بھی ان کے برابر کھڑا ہوا..... ایک منٹ تک رابل جائزہ لیتا رہا..... آخر اس نے کہا۔

"بہت خوب مسٹر ٹامی..... آپ کا جواب نہیں..... سوائے اس زخم کے اب دونوں میں بال برابر بھی فرق نہیں رہ گیا۔"

"تو پھر..... اب انسپکٹر جمشید کو دوسرا ذہنی جھٹکا بھی دے دیا جائے۔"

"دوسرا ذہنی جھٹکا!..... کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہاں جناب..... ابھی لیجئے۔" یہ کہہ کر اس نے تالی بجالی اور بلند آواز میں بولا۔

"سب انسپکٹر اکرام آپ بھی آجایئے۔"

بغلی دروازہ کھلا اور سب انسپکٹر اکرام اندر داخل ہوا..... اندر داخل ہوتے ہی وہ زور سے اچھلا..... کیونکہ کمرے میں دو دو انسپکٹر جمشید موجود تھے۔

"ذرا بتایئے تو مسٹر اکرام ..... ان میں سے اصلی انسپکٹر جمشید کون سے ہیں؟"

"مم..... میں حیران ہوں..... ارے ہاں..... ضرور یہی اصلی ہیں ..... جن کی پیشانی پر زخم ہے۔"

"دھوکا کھا گئے نا کیپٹن سام!" راہل نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب سر..... ارے یہ آپ ہیں!..... اور میں آپ کو انسپکٹر جمشید خیال کر بیٹھا..... تو انسپکٹر جمشید یہ ہیں۔"

"ہاں کیپٹن سام ..... اب میں اور تم اس عمارت میں جائیں گے ..... کیوں ..... کیسی رہی؟"

"اس سے خوب صورت پلان کچھ ہو ہی نہیں سکتا سر..... لوگ آپ کو بلاوجہ تو دماغی جنگ کا ماہر خیال نہیں کرتے..... انشارجہ ویسے ہی تو آپ پر فخر نہیں کرتا۔"

"تعریف کی ضرورت نہیں ..... اب ہمیں روانہ ہونا ہے۔"

"آپ بہت بڑی غلطی کریں گے وہاں جاکر مسٹر راہل۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطب ..... تمہارا اشارہ کون سی غلطی کی طرف ہے انسپکٹر جمشید؟"

"تم میری آواز کا کیا کرو گے؟"

"اوہ یہ کیا مشکل ہے ..... اب سنو..... ہم سیدھے وہاں جائیں گے اور تمہارے بچے بھی میری آواز پر شک نہیں کر سکیں گے۔"

اس مرتبہ اس کے حلق سے جو آواز نکلی..... وہ بالکل انسپکٹر جمشید کی آواز تھی۔

"اوہ!" ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"یہی نہیں..... آپ میری آواز بھی سن لیں تاکہ آپ کا اطمینان ہو جائے۔"

کیپٹن سام نے یہ بات اکرام کی آواز میں کی تھی۔ اس نے بھی بہت کامیاب نقل کی تھی۔

"اف ..... اب ..... اب میں کیا کروں ..... ارے ہاں اکرام کہاں ہے؟"

"آپ کو اسی کے ساتھ رکھا جائے گا..... فکر نہ کریں ..... بھئی روڈی ..... انہیں ان کے اسسٹنٹ کے پاس پہنچا دو..... اور دیکھو..... انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ..... آخر یہ ہمارے مہمان ہیں..... کل ان دونوں کو رہا کرنا ہے..... پہلے ہم اپنا مقصد حاصل کر لیں۔"

"بہت بہتر جناب۔" اس نے فوراً کہا۔

"لیجئے..... انسپکٹر جمشید..... ہم اسی گاڑی میں واپس اس عمارت کی طرف جا رہے ہیں..... جس سے آپ ہم تک پہنچے تھے۔..... آؤ اکرام

چلیں۔" اس نے یہ الفاظ بھی انسپکٹر جمشید کی آواز اور ان کے انداز میں کہے..... ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا..... پھر روڈی کے آدمی انہیں دونوں طرف سے پکڑ کر بغلی دروازے کی طرف لے جانے لگے ..... رابل اور سام بیرونی دروازے کا رخ کر رہے تھے..... انسپکٹر جمشید مڑ مڑ کر انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ان کے جسم میں ابھی تک طاقت لوٹ کر نہیں آئی تھی۔

○ ..... ○ ..... ○

جونہی ان کی جیپ اس عمارت کے سامنے رکی ..... کمانڈر انچیف لپک کر ان کی طرف آئے اور اکرام کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔

"تو آپ انہیں لانے میں کامیاب ہو گئے۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔" رابل بولا۔

"آیئے اندر چلیں..... یہاں آپ کی زیادہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔"

"کیوں..... خیر تو ہے؟" رابل نے فوراً کہا۔

"صدر صاحب کا انشارجہ سے فون آیا تھا۔ ..... میں نے انہیں مختصر طور پر حالات سنا دیئے۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ فوری طور پر واپس آنے کی کوشش کریں گے..... چاہے وہ اپنا پروگرام درمیان میں چھوڑ کر ہی کیوں نہ آئیں۔ ..... مطلب یہ کہ چاہے انہیں یہاں آکر پھر کچھ وقت کے لئے واپس جانا پڑے..... وہ یہاں ضرور آئیں گے۔"

"بہت خوب ..... یہ بہت اچھی بات ہوگی۔"

وہ ان کے ساتھ دروازے پر آئے..... دستک دی گئی..... کمانڈر انچیف بولے۔

"بھئی محمود..... تمہارے والد صاحب اکرام کو لے آئے..... دروازہ کھولو۔"

"کیا واقعی آپ آگئے ہیں ابا جان؟"

"ہاں بالکل۔" رابل نے کہا۔

اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا اور وہ اندر داخل ہو گئے۔

"اجازت ہو تو میں بھی اندر آجاؤں؟" کمانڈر انچیف بولے۔

"ضرور..... کیوں نہیں۔" رابل نے کہا۔

اندر داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیا گیا۔

"اوہو..... آپ کی پیشانی پر تو زخم آگیا ہے۔" فرزانہ گھبرا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں..... معمولی زخم ہے۔"

"پھر بھی پٹی تو کرا لینی چاہئے۔" محمود نے کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں..... صدر صاحب کسی وقت بھی آسکتے ہیں..... لہٰذا پروفیسر عمران صاحب ..... آپ وہ چیز ان کے حوالے کرنے کی تیاری کر لیں۔"

"اب میں نے تمام معاملات آپ کے سپرد کر

دیئے ہیں ..... جو آپ کے جی میں آئے وہ کریں۔" پروفیسر عمران جاہ بولے۔

"بہت خوب! لے آؤ بھئی وہ نکال کر۔"

"جی ..... کیا فرمایا!" فرزانہ چونک کر بولی۔

"ہاں کیوں ..... کیا بات ہے؟"

"آپ بھول نہیں رہے؟ ..... جب تک صدر صاحب نہیں آجاتے ..... اس وقت تک اس چیز کو نکال کر لانے کا حکم ہی نہیں ہے۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"اب صورت حال بدل چکی ہے ..... صدر صاحب ہو سکتا ہے ..... بہت تھوڑے وقت کے لئے یہاں آئیں ..... لہٰذا ہمیں پہلے سے تیاری کر لینی چاہئے۔" انہوں نے کہا۔ "پھر بھی ..... اس میں کتنی دیر لگے گی ..... یعنی نکال کر لانے میں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

عین اسی وقت رابل نے پستول نکال لیا ..... اس کے ساتھ ہی اکرام کے میک اپ میں کیپٹن سام نے بھی پستول نکال لیا۔

"خبر دار ..... تم سب ہاتھ اوپر اٹھا دو ..... پروفیسر عمران جاہ تم بھی ..... اور یہ ..... یہ کون ہے۔"

"یہ حوالدار محمد حسین آزاد ہیں ..... لیکن یہ سب چکر کیا ہے!؟"

"تو چکر ابھی آپ کی سمجھ نہیں آیا۔" رابل ہنسا۔

"کیا مطلب!؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

استاد کا احترام

کسائی، امین اور مامون الرشید کا استاد تھا۔ ایک روز وہ پڑھا کر اٹھنے لگا تو دونوں بھائی لپکے کہ جلدی سے جوتا اٹھا کر استاد کے سامنے رکھ دیں اس پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا کہ کون استاد کا جوتا رکھے۔ کسائی نے یہ دیکھ کر کہا "تم دونوں میں سے ہر ایک، ایک جوتا اٹھا لائے"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب خلیفہ کو یہ خبر پہنچی تو اس نے کسائی کو بلایا اور پوچھا "سب سے زیادہ معزز کون ہے؟" اس نے جواب دیا" امیرالمومنین سے زیادہ معزز کون ہو سکتا ہے؟" خلیفہ نے کہا "نہیں۔ وہ شخص جس کے لئے ولی عہد سلطنت اور اس کا بھائی اس بات پر جھگڑیں کہ کون اسکا جوتا پہلے اٹھائے۔" کسائی گھبرا گیا اور سمجھا کہ خلیفہ ناراض ہے لیکن ہارون الرشید نے کہا: "اگر تم میرے لڑکوں کو اس سے منع کرتے تو میں تم سے خفا ہو جاتا اور تمہیں لائقِ تعزیر سمجھتا۔

اس فعل سے میرے لڑکوں کی عزت اور شرف میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اور اضافہ ہوا ان کا جوہر نمایاں ہو گیا اور انکے کردار کا شرف ظاہر ہو گیا۔ پھر خلیفہ نے کسائی کو ادب سکھانے پر انعام عطا کیا۔

آدمی دنیا میں جتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو وہ ان سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ سے، والدین سے، استاد سے۔

مرسلہ:۔ مہوش افتخار۔ لاہور

"میں انسپکٹر جمشید نہیں..... رابل ہوں۔"

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں! اور یہ اکرام نہیں ..... میرے اسسٹنٹ کیپٹن سام ہیں۔"

"نن..... نہیں۔" ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

"اور انسپکٹر جمشید اس وقت ہمارے قبضے میں ہیں..... ہم دونوں اگر ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس نہ گئے تو انسپکٹر جمشید کو ہلاک کر دیا جائے گا..... اب یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے..... کہ وہ چیز میرے حوالے کرتے ہیں اور مجھے جانے دیتے ہیں یا نہیں۔"

"افسوس!" محمود نے کہا۔

"کسی بات پر افسوس کر رہے ہو..... اپنی شکست پر۔" رابل ہنسا۔

"نہیں..... اس بات پر کہ ہم آپ کا مطالبہ نہیں مان سکتے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم وہ پیکٹ آپ کے حوالے نہیں کر سکتے۔"

"کیا کہا..... نہیں کر سکتے۔" رابل چلایا۔ ساتھ ہی اس نے ٹریگر دبا دیا۔

(پھر کیا ہوا۔ آئندہ شمارے میں پڑھیے)

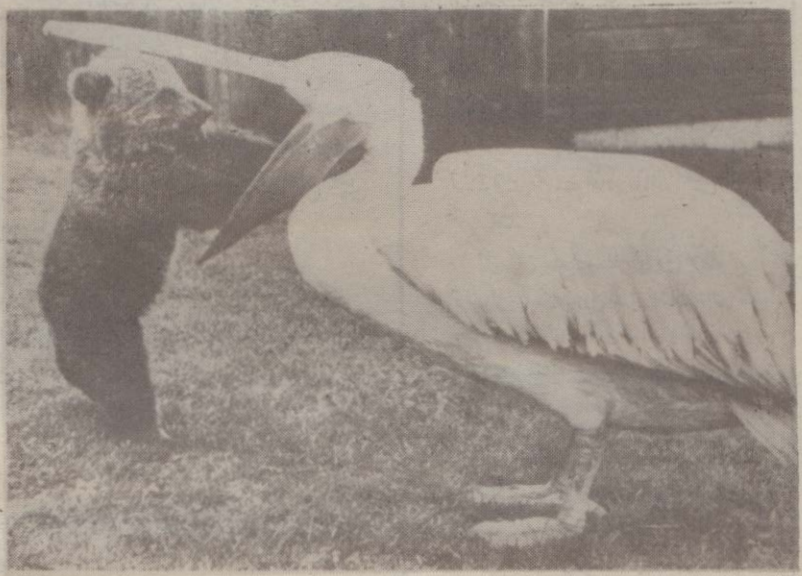

انکلے، بڑا سنبھالے کے کیا کھا رہے تھے آپ!

اللہ تیرا نام

مرسلہ..... فلزا فرحین رضا

بہتی ندیا چنچل دھارے
یہ سورج اور چاند ستارے
لیتے ہیں صبح و شام
اللہ تیرا نام، مولا تیرا نام

پھولوں کی مہکار میں تو ہے
بلبل کی چہکار میں تو ہے
فیض ہے تیرا عام
اللہ تیرا نام، مولا تیرا نام

بوڑھا، بچہ نر اور ناری
راجہ پر جا سیٹھ بھکاری
سب ہیں تیرے غلام
اللہ تیرا نام، مولا تیرا نام

تو ہے سب کا پالن ہارا
جس بندے نے تجھے پکارا
اس کے بنائے کام
اللہ تیرا نام، مولا تیرا نام

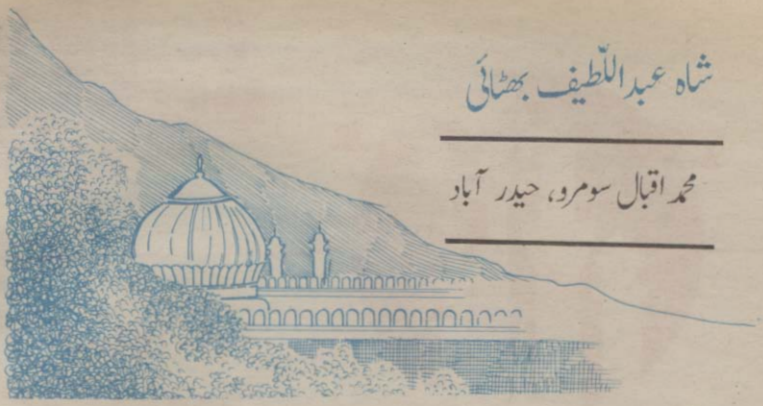

شاہ عبداللطیف بھٹائی

محمد اقبال سومرو، حیدر آباد

شاہ عبداللطیف بھٹائی سندھ کے ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ وہ آج سے تقریباً تین سو سال پہلے پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید حبیب شاہ تھا۔ یہ سندھ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ لوگ ان کی اور ان کے خاندان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ جب تک شاہ صاحب کے والد زندہ رہے۔ باپ بیٹا دونوں گاؤں ہی میں رہے۔ باپ کے مرنے کے بعد آپ نے اپنا گاؤں چھوڑ دیا۔ اور باہر ریت کے ٹیلے پر اپنا ڈیرہ جمایا۔ سندھی زبان میں ریت کے ٹیلے کو "بھٹ" کہتے ہیں، اسی وجہ سے آپ بھٹائی مشہور ہوئے۔ یعنی ریت کے ٹیلے پر رہنے والے بزرگ۔ آپ کو خدا سے بڑا لگاؤ تھا۔ ہر وقت اسی کی یاد میں مشغول رہتے۔ ریت کے ٹیلے کے پاس ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ یہ جھیل اب بھی موجود ہے۔ شاہ صاحب اس کے کنارے بیٹھ کر خدا کی عبادت کرتے اور اس کی حمد کے گیت گاتے تھے۔

جب لوگوں نے شاہ صاحب کی بزرگی کا حال سنا تو وہ ان کے پاس آنے لگے۔ یہ ویران جگہ جلد ہی آدمیوں سے آباد ہو گئی۔ بہت سے لوگوں نے اس ٹیلے کے آس پاس مکانات بنا لئے۔ وہ ہر وقت شاہ صاحب کی باتیں سنتے تھے۔

شاہ صاحب بڑے رحم دل اور سخی بزرگ تھے۔ لوگ ان کے پاس نذرانے لے کر آتے لیکن آپ یہ نذرانے اپنے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ سب کچھ غریبوں میں بانٹ دیتے تھے۔ شاہ صاحب سندھی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ وہ اپنے شعروں کے ذریعے لوگوں کو نیک باتیں سکھاتے تھے۔ شاہ صاحب کے مرید یہ اشعار جمع کرتے رہے، اس طرح آپ کے شعروں کی ایک کتاب بن گئی جس کو شاہ عبداللطیف کا رسالہ کہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں وفات پائی۔

ریحان کی جیت

عنبرین عشرت

اُردو کے پریڈ کا آغاز ہوتے ہی سر صفدر حسبِ معمول کلاس میں داخل ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ اتوار کے دن ہم ہفتۂ خوش اخلاقی کا آغاز کریں گے۔ اسمبلی ہو یا دُکان، ہر جگہ آپ کو بہترین اخلاق کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ سب سے عزّت واحترام سے بات کرنی ہوگی۔ سمجھ گئے آپ سب؟" اور بچّوں نے ہاں میں سر ہلا دیئے۔ اتنے میں چھٹّی کی گھنٹی بج گئی۔ بچّوں نے بیگ بند کئے اور قطار بنا کر نیچے جانے لگے۔ ریحان بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا اور قطار میں لگ کر نیچے جانے لگا۔ سیڑھیاں اُترتے ہوئے وہ غلطی سے اپنے آگے کھڑے ہوئے علی سے ٹکرا گیا مگر بجائے معذرت کرنے کے وہ اُلٹا علی سے ہی اُلجھ پڑا "کیا ہے دیکھ کر نہیں چلتے۔ کیا اللہ میاں نے تمہیں دو آنکھیں نہیں دی ہیں۔" بیچارا علی اپنی صفائی پیش کرتا رہ گیا مگر ریحان نے ایک نہ سُنی اور غصّے میں تنتناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو امّی نے کہا "بیٹا ریحان! ذرا دُکان سے جاکر مرچ تو لے آؤ، سالن میں ڈالنی ہے۔" ریحان چلّا کر بولا۔ "امّی حد کرتی ہیں آپ بھی۔ ابھی اسکول سے تھکا ہارا آیا ہوں اور آپ کو مرچ کی پڑی ہے، کسی اور سے منگا لیں؛ میں اتنی دھوپ میں دوبارہ نہیں جاؤں گا۔" وہ غصّے میں بھنّاتا ہوا کمرے میں جانے لگا تو چار سالہ عامر اس سے لپٹ گیا اور توتلی زبان میں "پائی پائی" کرنے لگا مگر ریحان نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا "ہٹو کیا مصیبت ہے ہر وقت چمٹے رہتے ہو، بدتمیز!" اور کمرے میں چلا گیا۔ پھر کتابیں میز پر پھینک دیں اور فُل اسپیڈ میں پنکھا چلا کر بستر پر گر گیا۔ عمّیر نے اسے کھانے کے لئے پکارا "بھائی جان! باجی کہہ رہی ہیں کہ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کے لئے آجائیں۔" "آرہا ہوں چیخ کیوں رہے ہوں۔ بہرہ نہیں ہوں میں۔" ریحان نے عمّیر کو ڈانٹا اور بڑبڑاتا ہوا کھانے کی میز پر پہنچ گیا۔ "ریحان ہاتھ دھوئے نہیں تم نے؟" باجی نے پوچھا۔ "ہاں ہاں دھولئے ہیں۔" ریحان بولا۔ عمّیر نے جھٹ شکایت کی "نہیں باجی! دیکھئے بھائی کے ہاتھوں میں سیاہی لگی ہے۔" ریحان غصّے سے چیخا۔ "تم کو کس نے کہا کہ میرے ہاتھ دیکھ کر

رائے زنی کرو۔" "اچھا اچھا کھانا کھاؤ۔" باجی جھگڑا بڑھتا دیکھ کر بولیں۔ ریحان نے سالن کا ڈونگا اپنی طرف کھسکایا اور چیخ پڑا۔ "یہ کیا آج پھر وہی بینگن، ایک مصیبت ہے ہر روز یہی سبزی۔ باجی ہر روز آپ یہی اُٹھا کے پکا دیتی ہیں۔" باجی بولیں "بہت بدتمیزی کرنے لگے ہو۔ سب کو یہی پسند ہے۔ اچھی خاصی صحت بخش سبزی ہے۔ اللہ کی نعمت کو ٹھکراتے ہو۔" ریحان چند لقمے کھا کر اُٹھ گیا۔ عصر کے وقت وضو کر کے نماز پڑھی اور ہوم ورک کرنے لگا۔ ہوم ورک ختم کرنے کے بعد وہ اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھنے کے لئے ٹی وی لاؤنج میں آیا لیکن خبریں آرہی تھیں۔ بور ہو کر ریحان نے ٹی وی وڈیو گیم نکال کر کھیلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد عُمیر مسکین سی صورت بنا کر کہنے لگا۔ "بھائی! ٹی وی پر کارٹون آرہے ہیں مجھے دیکھنا ہے۔" ریحان چلّایا "عجیب مصیبت ہے۔ ادھر جیسے ہی میں کچھ کرنے لگتا ہوں تم سب کو تکلیف شروع ہو جاتی ہے۔ میں ضرور کھیلوں گا۔ بھاگو یہاں سے۔" عُمیر سر جُھکا کے چلا گیا۔ ریحان کو بھی اب کھیلنے میں مزہ نہیں آرہا تھا۔ وہ گیم بند کر کے کمرے میں آگیا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔

مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنے دوست شفیع کے گھر چلا گیا۔ جیسے ہی وہ شفیع کے کمرے میں داخل ہوا تو سامنے کا منظر خاصا حیران کن تھا۔ شفیع اپنے چھوٹے بھائی فصیح کو پڑھا رہا تھا۔ ریحان نے حیرانی سے شفیع سے پوچھا "آج یہ انقلاب کیسے؟" شفیع مسکرا کے بولا "واہ! نہ سلام نہ دُعا۔ بس آتے ہی انقلاب کا پوچھ رہے ہو، بھولے بادشاہ! آج ہی تو سر صدر نے ہفتۂ خوش اخلاقی کے بارے میں بتایا تھا، میں نے بھی سوچا کہ فصیح انگریزی میں کمزور ہے، سو اس کو پڑھانا شروع کر دیا اور تم بتاؤ آج کتنی خوش اخلاقی دکھائی؟" مگر ریحان گُم سُم بیٹھا تھا۔ پھر بجلی کی تیزی سے اُٹھا اور خدا حافظ کہہ کر جانے لگا۔ شفیع پُکارتا رہ گیا مگر ریحان کمرے سے باہر نکل گیا۔ رات بھر وہ اپنا اور شفیع کا موازنہ کرتا رہا۔ رات اس نے کھانا بھی نہیں کھایا اور جب سونے کے لئے لیٹا تو تمام واقعات ایک ایک کر کے ذہن میں گھومنے لگے۔ علی ہی کیا وہ اپنے ہر کلاس فیلو سے اسی طرح پیش آتا تھا۔ بچپن سے ہی غصیلا مزاج پایا تھا۔ معمولی باتوں پر، چاہے اپنی ہی غلطی ہو، وہ دوسروں سے اُلجھ پڑتا تھا۔ گھر میں چھوٹے بھائیوں سے لڑ پڑتا اور باجی تو اسے اپنی دشمن لگتیں۔ امّی ابّو سے بھی بدتمیزی پر اُتر آتا تھا۔ ریحان نے لاکھ سونے کی کوشش کی مگر سو نہ سکا۔ وہ اُٹھ کر کمرے سے باہر نکلا۔ امّی صحن میں وضو کے لئے پانی رکھ رہی تھیں کیونکہ آج شبِ قدر تھی۔ ریحان کو کھڑا دیکھ کر وہ شفقت سے بولیں۔ "بیٹا ریحان! کیا نیند نہیں آرہی؟" امّی کا شفقت بھرا لہجہ سُن کر ریحان اور شرمندہ ہو گیا اور امّی کا ہاتھ پکڑ کر رو پڑا۔ پھر روتے ہوئے بولا

"امّی مجھے معاف کر دیں میں آپ سے زبان درازی کرتا رہا اور آپ کو دُکھ بھی پہنچایا۔" امّی نے مُسکرا کے ریحان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں۔ "بیٹے! آدمی کو اپنی غلطی کا احساس دیر یا سویر ہو جاتا ہے۔" "امّی! میں معافی مانگوں تو کیا اللہ میاں قبول کر لیں گے؟" ریحان نے پوچھا۔ امّی بولیں "بیٹے تم نے اگر کسی کا دل دُکھایا ہے تو اللہ سے معافی مانگنے کے بجائے اس سے مانگو جس کا تم نے دل دُکھایا ہے اور کسی طرح کفّارہ ادا کرنے کی کوشش کرو۔" "ٹھیک ہے میں سب سے معافی مانگ لوں گا۔" ریحان نے ایک عزم سے کہا۔ اور پھر واقعی ریحان میں جیسے انقلاب آگیا اور جب ہفتۂ خوش اخلاقی کا اختتام ہوا تو سب لوگ حیران رہ گئے کیونکہ ریحان کو بہترین حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرنے پر پہلا انعام ملا تھا۔

اے ننھے فنکارو

مرسلہ ہرجیت سنگھ، مردان

ننھے منے اے فنکارو!
پاک زمیں کے روشن تارو
اچھے انساں بننا سیکھو
حق کی خاطر جینا سیکھو
پڑھنا لکھنا کام تمہارا
روشن ہوگا نام تمہارا
کہلاتے ہیں اچھے بچے
ہوتے ہیں جو قول کے سچے
روز سویرے اُٹھتے ہیں وہ
بات ادب سے کرتے ہیں وہ
ان سے ہے دنیا میں اُجالا
ان کا ہے ہر کام نرالا

ابو ریحان البیرونی

ظفر علی ڈیرہ اسماعیل خان

البیرونی کے نام سے آپ یقیناً واقف ہوں گے ان کا پورا نام ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی تھا۔ البیرونی کا تعلق محمود غزنوی کے دربار سے تھا جو گیارہویں صدی کا مشہور بادشاہ گزرا ہے۔

البیرونی ایک بہت بڑے عالم اور سائنس دان تھے جو فزکس، فلسفہ، تاریخ جغرافیہ اور ریاضی کے علم میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ وہ ۹۷۳ء عیسوی میں کیوا (KHEVA) میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی عمر سے ہی ان کی علمیت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ انہوں نے اپنے سفرنامے "کتاب الہند" میں ہندوستان کے سفر کے مشاہدات قلمبند کئے۔ اس کتاب کے بعد انہوں نے اپنی مشہور کتاب "قانونِ مسعودی" کو تحریر کیا۔ جس میں انہوں نے کائنات میں سیاروں، سورج اور چاند کی گردش کے بارے میں معلومات درج کیں۔ ان کی ایک کتاب "الاطہر" میں قدیم قوموں کی تاریخ اور اس وقت کے جغرافیائی حالات درج ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں عرضِ بلد اور طولِ بلد کی مختلف مقامات پر صحیح قیمتیں بتائی گئی ہیں۔

انہوں نے ایسے زاویئے جن کو ہم زاویئے اور کمپاس سے تقسیم نہیں کر سکتے تھے، ان کو تقسیم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔

ان کی کتابوں میں "کتاب الہند" "القانون المسعودی،" "الاطہر الا باقیہ" اور "کتاب الجماہیر" بہت مشہور کتابیں ہیں۔

وہ بہت بڑے سائنس دان تصوّر کئے جاتے ہیں۔ ان کی انتھک محنت، سائنسی قربت اور سچ سے محبت جیسی چیزوں نے ان کا نام علمی میدان میں روشن اور چمکتا ہوا بنا دیا ہے۔ جو آج بھی روشن ہے۔

ہم نے کھیلی آنکھ مچولی

دانش حمید

شام کے پانچ بجے تھے اور احمد، راشد میرے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ آنکھ مچولی کھیلیں گے۔ موسم بھی اچھا ہو رہا تھا۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ احمد اور راشد کہنے لگے کہ میدان میں جا کر آنکھ مچولی کھیلیں گے۔ میں نے کہا۔ "نہیں! یہیں گھر کے پاس کھیل لیتے ہیں۔" وہ دونوں ضد کرنے لگے کہ نہیں میدان میں کھلی جگہ ہے وہاں کھیلنے میں مزہ آئے گا۔ میں نے کہا "ٹھیک ہے پھر گھر والوں سے اجازت لے کر چلے چلتے ہیں۔" وہ دونوں کہنے لگے۔ "ارے اتنے سے کام کی کیا اجازت ؟" خیر ہم لوگ میدان میں جا کر آنکھ مچولی کھیلنے لگے۔ میدان کی زمین اونچی نیچی ہے اور کچھ گڑھے بھی ہیں۔ ہم نے راشد کی آنکھوں پر پٹی باندھی اور راشد ہمیں پکڑنے لگا تو ایک گڑھے میں گر گیا۔ اس کی ٹانگ میں چوٹ آگئی تھی، ہم نے بڑی مشکلوں سے اسے گڑھے سے باہر نکالا۔ راشد سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ اسے سہارا دے کر گھر پہنچے تو ہمیں خوب ڈانٹ پڑی کہ "بغیر اجازت کہاں چلے گئے تھے۔ موسم دیکھ رہے ہو کتنا طوفانی ہو رہا ہے۔ بارش ہونے والی ہے۔" خیر راشد کے پاؤں کی مرہم پٹی کی گئی اور اس کام سے فارغ ہوئے تو واقعی بڑی تیز بارش شروع ہو گئی۔ میں پانی میں بھیگتا ہوا جب گھر پہنچا تو ابو امی میرا انتظار کر رہے تھے۔ خوب ڈانٹا، میں بہت شرمندہ تھا خیر ابو کے کہنے پر جلدی سے کپڑے تبدیل کئے اور کھڑکی میں کھڑے ہو کر برسات کا نظارہ کرنے لگا۔ باورچی خانے سے سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی۔ آپا پکوڑے تل رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ اگر میں باہر کھیل رہا ہوتا تو پکوڑے کھانے کو نہیں ملتے پھر مجھے راشد کا خیال آیا جس کی ٹانگ میں چوٹ لگ گئی تھی "اللہ میاں! راشد کی ٹانگ جلد ٹھیک کر دیجئے گا" میں نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی اور دل میں عہد کیا کہ آئندہ گھر والوں سے اجازت لے کر باہر جایا کروں گا۔

تِتلی

ارم حبیب

تتلی پیاری پیاری ہے
باغوں کی یہ رانی ہے
پر ہیں اس کے رنگ رنگیلے
اودے، کالے، نیلے، پیلے
رنگ تو اس کے کچے ہیں
لگتے پھر بھی اچھے ہیں
روک لو ایسے بچوں کو
قید میں اس کو رکھیں جو
ننھی سی اِک جان ہے تتلی
باغوں کی یہ شان ہے تتلی

علم کا خزانہ

امجد سرفراز، ملتان

ایک جنگل میں جمال اور کمال دو دوست سفر میں تھے۔ راستے میں انہیں ایک کتاب اور اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی ملی۔ کمال نے کہا کہ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی میں لوں گا کیونکہ میں نے اسے پہلے دیکھا ہے۔ جمال بولا "اگر میری نظر پہلے اس پر پڑ جاتی تو بھی میں اسے نہ لیتا، خواہ اس میں قارون کا خزانہ بھرا ہوتا۔ میں تو کتاب لوں گا۔" کمال بہت حیران ہوا۔ تعجب سے بولا۔ "حیرت ہے ایک کتاب کے لئے اشرفیوں کے خزانے کو چھوڑ رہے ہو۔" جمال مسکرایا اور سنجیدگی سے بولا "پیارے دوست! تمہارے پاس جو خزانہ ہے وہ ایک دن ختم ہو جائے گا لیکن میں جس خزانے کو حاصل کر رہا ہوں وہ کبھی ختم نہیں ہو گا کیونکہ وہ علم کا خزانہ ہے۔"

شوخیٔ تحریر

مرسلہ..... عبدالماجد خان، حیدر آباد۔

ایک بچہ اسکول سے پڑھ کر گھر میں داخل ہوا تو اس کی ایک آنکھ چوٹ کی وجہ سے سوجی ہوئی تھی۔ ماں نے پوچھا تو روتے ہوئے کہنے لگا۔ "مجھے ایک بڑے لڑکے نے گھونسا مارا ہے۔" ماں نے یہ سن کر کہا۔ "بیٹا لڑنا بھڑنا اچھی بات نہیں اگر اس نے غلطی کی ہے تو تمہارے لئے لازم ہے کہ اچھے اخلاق کا ثبوت دو۔ کل اس کے لئے ایک کیک لے جاؤ اور آپس میں صلح کر لو۔"

دوسرے دن جب وہ اسکول سے واپس آیا تو اس کی دوسری آنکھ سوجی ہوئی تھی۔ ماں نے حیرت سے پوچھا۔ "آج کیا ہوا ہے؟"

"اب وہ ایک کیک اور مانگتا ہے!!!" بچے نے روتے ہوئے جواب دیا۔

اخلاق جس کے اچھے

انساں وہی اچھا

مر کر جو کام آئے ساماں وہی اچھا
بے لوث و بے ریا ہو، احساں وہی اچّھا
اخلاق کی خوشبو ہی کردار کی خوشبو ہے
اخلاق جس کے اچھے، انساں وہی اچّھا
نقصان ہو کسی کا، سوچو کبھی نہ ایسا
سب کی بقا ہو جس میں، ارماں وہی اچّھا
نفرت کی کوئی کونپل پھوٹے تو کاٹ ڈالو
جس سے مٹے کدورت، داماں وہی اچّھا
بیکار ہیں جو باتیں، ان میں کبھی نہ اُلجھو
حکمت چھُپی ہو جس میں، فرماں وہی اچّھا
ہیں موت کے کئی رنگ لیکن یہ ہے حقیقت
جس میں ملے شہادت، میداں وہی اچّھا

اُسامہ آصف حسن، کراچی۔

ضرب الامثال

(۱) جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔
(۲) صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔
(۳) ساجھے کی ہنڈی بیچ چوراہے پر پھوٹتی ہے۔

مرسلہ: شازیہ کنول، کراچی

مہکتی کلیاں

۱...... اگر تمہیں زندگی سے محبّت ہے تو وقت سے محبّت کرو۔
۲...... پہلی ناکامی سے مت گھبراؤ کیونکہ یہ تمہارے عروج کی پہلی سیڑھی ہے۔
۳...... جھوٹ بول کر جیت جانے سے سچ بول کر ہار جانا بہتر ہے۔

مرسلہ..... نائلہ بختیار، پشاور

غلام

بادشاہ نے فقیر سے کہا "مجھ سے کچھ مانگ"! فقیر نے جواب دیا۔ "میں اپنے غلاموں کے غلام سے کیا مانگوں؟" بادشاہ نے پوچھا "کیا مطلب؟" فقیر نے کہا "میرے دو غلام ہیں۔ لالچ اور اُمید۔ اور تو ان کا غلام ہے۔"

محمد سلیم امام، متحدہ عرب امارات

بائیسکل کی ایجاد

نادیہ خالد

انسان اللہ تعالیٰ کی ذہین ترین مخلوق ہے۔ اس نے اپنی ضرورت کے تحت ہزاروں چیزیں ایجاد کیں۔ ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، کاغذ، کمپیوٹر، ریڈیو، کار، ریل گاڑی، گراموفون، ہوائی جہاز وغیرہ سب انسان ہی کے ذہن کی تخلیق ہیں۔

آج سے اڑھائی سو سال قبل ایک فرانسیسی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ کوئی ایسی سواری بنائی جائے جو امیر غریب ہر ایک استعمال کر سکے، جو بالکل سادہ اور سستی ہو۔ چنانچہ اس کے ذہن میں بائی سائیکل بنانے کا خیال آیا۔ اس نے لکڑی کے دو پہیوں کو لکڑی کے گول، مضبوط اور پتلے لٹھوں سے کس دیا۔ ان لٹھوں پر بیٹھ کر وہ اگلے پہیہ کو پیر سے گھماتا اور سواری چلتی تھی۔ یہ تھی دنیا کی سب سے پہلی بائی سائیکل کی ایجاد۔

بعد میں ایک اور فرانسیسی، "ڈریزن" نے اگلے پہیّہ کو گھمانے کے لئے ایک گول چکر سے کام لیا۔ اس چکر کے استعمال سے پہیّا دائیں بائیں گھومنے لگا۔ "ڈریزن" سے پہلے کسی اور شخص نے اگلے پہیّہ کو گھمانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بائیسکلوں کا کاروبار چمک اٹھا بہت سے ممالک نے "ڈریزن" کی بائیسکل کو پسند کیا۔

ابھی تک پہیّے لکڑی کے ہوتے تھے۔ ان پر لوہے کا خول چڑھا دیا جاتا تھا۔ پہلے دونوں پہیّے برابر ہوتے تھے۔ پھر کچھ عرصے بعد اگلا پہیّہ بڑا اور پچھلا چھوٹا بنایا جانے لگا۔ پھر ایک اور فرانسیسی "پیری" نے سب سے پہلے پیڈل لگا کر بائیسکل چلائی لیکن رفتار ابھی تک سست تھی۔

ربڑ کی خوبیاں ظاہر ہو گئیں تو اس سے گیندیں اور کھلونے بننے لگے۔ پھر تو بائیسکل کے لئے بھی ربڑ کے ٹائر بنے اور اس تجارت میں انقلاب آ گیا۔ اور اب دوبارہ بائیسکل کے دونوں پہیّے برابر کر دیئے گئے۔

موجودہ دور میں دنیا کے تقریباً تمام ممالک اعلیٰ درجے کی بائیسکلیں بناتے ہیں جو کہ ایک بہت ہی مفید ایجاد ہے۔

مہربان کیسے کیسے

محمد آصف محمود، چکلالہ

(مزاحیہ ڈرامہ)

کردار:۔ آفیسر (جو بہت اونچا سنتا ہے)
کلرک نمبر۱، کلرک نمبر۲

(کلرک نمبر۱ آفیسر کے کمرے میں داخلہ ہوتا ہے۔ آفیسر اپنی کرسی پر بیٹھا ہے۔ کلرک ہاتھ کے اشارے سے سلام کرتا ہے)

آفیسر:۔ "کہو بھائی کیسے آئے؟"

کلرک نمبر۱:۔ "سر! یہ استعفیٰ۔"

آفیسر:۔ "کیا لطیفہ؟ تم ہوش میں تو ہو۔"

کلرک نمبر۱:۔ "نہیں سر! یہ میرا استعفیٰ.....

آفیسر (بات کاٹ کر) "تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا جو مجھے لطیفہ سنانے آئے ہو۔"

کلرک نمبر۱:۔ "آئی ایم سوری سر!"

آفیسر:۔ "کیا چوری! ارے کہاں ہو گئی چوری؟"

کلرک نمبر۱:۔ "سر! دراصل بات.....

آفیسر (بات کاٹ کر) "کیا فضل حیات کے گھر چوری ہو گئی۔ کیا رپورٹ لکھوائی اس نے؟"

کلرک نمبر۱:۔ "سر! میں یہ کہہ رہا تھا۔"

آفیسر (بوکھلا کر) "ہائیں! ارے کیا بہہ رہا تھا؟ پھر سیلاب آگیا۔ کیا ہو گا ہمارا!!!"

کلرک نمبر۱:۔ "سر وہ آپ کا.....

آفیسر (بات کاٹ کر) "ملاقات کا۔ کس کو وقت دیا ہے ملاقات کا؟ کون ملاقات کرنا چاہتا ہے؟ کہہ دو صاحب مصروف ہیں۔"

کلرک نمبر۱:۔ (پریشان ہو کر) "سر! میں جاؤں۔"

آفیسر:۔ "ارے میاں! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ میرے پاس کھڑے ہو کر کہہ رہے ہو کہ میں آؤں۔ لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک۔ جاؤ آرام کرو۔" (کلرک نمبر۱ باہر جاتا ہے اور آفیسر پریشانی سے اپنے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگتا ہے۔ اسی اثنا میں کلرک نمبر۲ آتا ہے اور کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

کلرک نمبر۲:۔ "گڈ آفٹرنون سر!"

آفیسر:۔ کس کا ٹیلی فون؟ کب آیا؟ مجھے کیوں نہیں بتایا!!"

کلرک نمبر۲ (سوال نظر انداز کرتے ہوئے) "سر! یہ فائل۔"

آفیسر۔ "بھائی! کون سائل؟ تمہیں کتنی بار منع کیا کہ ان فقیروں کو آفس میں داخل نہ ہونے دیا کرو۔"

کلرک نمبر۲:۔ "سر! میں شرمندہ ہوں۔"

آفیسر۔ "ارے تابندہ بیٹی آئی ہے۔ ارے نا لائق مجھے کیوں نہیں بتایا۔"

کلرک نمبر۲:۔ "سر! یہ کرمانی.....

آفیسر (بات کاٹ کر) "ارے کہاں ہے خوبانی؟ کون لایا؟؟ جلدی لاؤ مجھے بڑی طلب ہو رہی ہے۔"

کلرک نمبر۲:۔ "سر! خوبانی نہیں کرمانی۔"

آفیسر۔ "ارے جوانی۔ ظالم! کیا دن یاد کرا دیئے۔ میں اکثر درختوں پر چڑھ کر الٹا لٹکا کرتا تھا۔"

کلرک نمبر۲:۔ "سر! میں جاؤں۔"

آفیسر۔ "ارے کیا آؤں۔ تم بھی پاگل ہو گئے ہو۔ میرے خدا میں کیا کروں؟ جاؤ آرام کرو۔"

کلرک نمبر۲:۔ "سر! میں پاگل خانے جا رہا ہوں۔"

آفیسر۔ "ارے بھائی! غسل خانے جاؤ یا قہوہ خانے جاؤ۔ بس میرے جان چھوڑو۔"

(کلرک نمبر۲ پریشان ہو کر باہر جاتا ہے اور آفیسر سر پر ہاتھ مار کر آرام دہ کرسی میں ڈھیر ہو جاتا ہے۔)

آنکھ مچولی پیارا پیارا

عاطف امتیاز

بھیا لا دو آنکھ مچولی — یہ تو میرا ہے ہمجولی
میرے من کو بھاتا ہے یہ — پیارے تحفے لاتا ہے یہ
تصویریں ہیں رنگ برنگی — نظمیں اس میں پیاری پیاری
سیدھا رستہ یہ دکھلائے — اچھی باتیں یہ سکھلائے
اس کا ہے انداز نرالا — پھولوں کی ہے جیسے مالا
"آنکھ مچولی" لائیں گے ہم — اس سے دل بہلائیں گے ہم

بابائے اُردو

نسیم پروین

مولوی عبدالحق نام ہے ایک ایسی ہستی کا جس نے اپنی تمام عمر اردو کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ آپ کو بابائے اردو بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ آپ نے اردو زبان و ادب کی بہت خدمت کی۔ مولوی عبدالحق ۲۰ اگست ۱۸۷۰ء کو ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ علی حسین تھا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں سے آپ نے بی اے پاس کیا۔ وہیں پر آپ کو سرسید احمد خان اور دوسری نامور ہستیوں کی صحبت نصیب ہوئی۔ علمی خدمات کے صلے میں الہ آباد یونیورسٹی اور علی گڑھ یونیورسٹی نے آپ کو اعلیٰ ڈگریاں دیں۔ مولوی صاحب نے اپنی زندگی کے چالیس سال حیدر آباد دکن میں گزارے۔ وہاں آپ معلّمی کرتے رہے اور ساتھ ساتھ اردو زبان کی خدمت بھی کرتے رہے۔ انجمن ترقیٔ اُردو بننے کے کچھ عرصہ بعد آپ اس کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ جب انجمن ترقیٔ اُردو کا دفتر حیدر آباد سے دہلی منتقل ہوا تو آپ بھی دہلی چلے آئے۔ پاکستان بننے کے دو برس بعد آپ کراچی آگئے۔ یہاں پر بھی آپ نے انجمن ترقیٔ اُردو قائم کی۔ پہلے آپ اس کے سیکریٹری اور پھر صدر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ اردو کی ترقی میں مولوی عبدالحق کی خدمات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے اہلِ ادب کو قدیم شاعروں اور ادیبوں کے کارناموں سے پہلی دفعہ روشناس کرایا اور یہ آپ کا اردو ادب پر بہت بڑا احسان ہے۔ آپ کا شمار اردو کے اہم ترین نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ آپ کی نثر سادہ اور سلیس ہوتی ہے آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں "خطباتِ عبدالحق" اور "چند ہم عصر" بہت مشہور ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۶ اگست ۱۹۶۱ء کو کراچی میں ہوا۔ مولوی عبدالحق کی اردو کی ان خدمات کو دیکھ کر عبدالماجد دریا آبادی کا قول یاد آتا ہے کہ "اگر مجموعی طور پر کسی ایک شخص کو اردو کے محسنِ اعظم کا لقب دیا جاسکتا ہے تو وہ ذات بلا اختلاف مولوی عبدالحق ہی کی ہو سکتی ہے اور بقول شاعر سکندر علی واجد کہ ۔ جیئے بھی کام کی خاطر، مرے بھی کام کی خاطر
نہ چھانی خاک درد در کی، کسی انعام کی خاطر

بادشاہ کا قیدی

عائشہ صدیقی، سوہدرہ۔

ایک بادشاہ نے ایک قیدی کے قتل کا حکم دیا قیدی نے گالیاں دینی شروع کر دیں کیونکہ اس کے سوا وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بادشاہ کو اس کی زبان نہیں آتی تھی اس لئے اس نے وزیروں میں سے ایک سے پوچھا "یہ کیا کہہ رہا ہے؟" نیک سیرت وزیر نے کہا کہ "اے آقا! وہ کہہ رہا ہے۔ وہ لوگ بہت اچھے ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔" بادشاہ کو رحم آگیا اور قیدی کو معاف کر دیا۔ یہ دیکھ کر ایک بدخصلت وزیر نے کہا کہ "قیدی گالیاں بک رہا تھا۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ آپ کے سامنے جھوٹ بولیں" یہ سن کر باشادہ کو غصہ آگیا اور اس نے کہا "مجھے یہ جھوٹ تیرے سچ سے زیادہ پسند آیا کیونکہ اس جھوٹ میں اچھائی کا پہلو ہے اور تیرے سچ کی بنیاد لڑائی پر ہے۔" ■

کیا آپ جانتے ہیں

○ دنیا کا سب سے پہلا اخبار اٹلی میں شائع ہوا۔

○ دنیا میں سب سے پہلا ایٹم بم جرمنی کے دو شہروں "ہیروشیما" اور ناگاساکی پر گرایا گیا۔

○ دنیا میں سب سے پہلا ریلوے انجن جارج اسٹیفن نے بنایا۔

○ دنیا کا سب سے پرانا درخت صنوبر ہے۔

مرسلہ ایس ذیشان ایس، سرحد

اڑنے والے مینڈک

انڈونیشیا کے جزیرے بورنیو میں ایسے مینڈک پائے جاتے ہیں جو اُڑنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ مینڈک اپنے پیروں کی مدد سے ایک درخت سے دوسرے درخت تک چھلانگ لگانے میں ماہر ہیں۔ ان کے پنجے عام مینڈک کے مقابلے میں کافی بڑے ہوتے ہیں اور یہ مینڈک اپنے بڑے پیروں کی وجہ اپنی رفتار میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

مرسلہ : محمد سلیم، چکوال

اعداد اور معلومات

مرسلہ..... سیدہ کاشفہ خاتون، کراچی۔

۱۔ کسی بھی طرح پانچ تک ہندسے لکھ کر دکھایئے کہ جب ان کو جمع کیا جائے تو حاصل جمع ۱۴ ہو؟

۲۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "وہ افغانستان کے چیف نیول اسٹاف کا لڑکا ہے" بتایئے کیا وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے؟

۳۔ وہ کون سی چیز ہے جسے جتنا تقسیم کیا جائے وہ اتنا ہی بڑھتی ہے؟

۴۔ ذرا بتایئے تو گائے اور گھوڑے کے زمین سے کھڑا ہونے کے طریقے میں بنیادی فرق کیا ہے؟

۵۔ فرض کریں آپ کار چلا رہے ہیں۔ آپ کو کل ۱۰۰ میل فاصلہ طے کرنا ہے۔ کار کی رفتار ۶۵ میل فی گھنٹہ ہے تو بتایئے ڈرائیور کی عمر کیا ہے؟

جوابات

(۱) ۱۱ + ۱ + ۱ + ۱ = ۱۴

(۲) جی نہیں، افغانستان میں سمندر نہیں ہے

(۳) علم

(۴) گائے پچھلی ٹانگوں سے اور گھوڑا اگلی ٹانگوں سے کھڑا ہوتا ہے

(۵) وہی جو آپ کی عمر ہے۔

آنکھ مچولی کا سالانہ خریداری کا کوپن

نام _____

مہینہ جس سے رسالہ شروع کروانا چاہتے ہیں _____

رقم _____ بذریعہ _____

پتہ _____

_____

فون نمبر _____

Hilal
Hajmola
CANDIES
Hilal
Hajmola
CANDY
albela
aam
Hilal
Hajmola
CANDY
chulbuli
imli
Hilal
Hajmola
CANDY
ھلال کی ہاجمولا
ادرک، املی، آم
Hilal Confectionery (Pvt) Ltd.

IMAGE

ممتا یا وُڈ وَرڈ - ایک ہی بات ہے

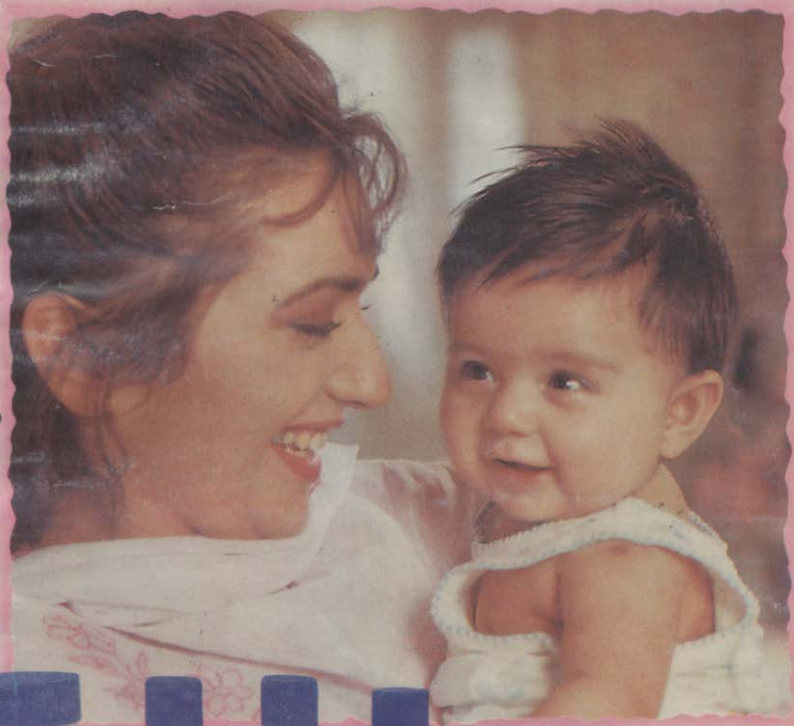

آپ کا ہنستا مسکراتا بچہ آپکے لئے قدرت کا حسین تحفہ! اس پیارے سے بچے کو اور بھی پیارا بنانا آپ کی پہلی خواہش ہے۔

اپنے ممتا بھرے جذبات کو حقیقت کا روپ دینے کیلئے وڈ ورڈ کے نرم و نفیس بے بی کیئر پروڈکٹس استعمال کیجئے۔

WOODWARD

ایک ممتا بھری روایت